NEW

دو تاریخی شاہکار مظہیں

تحقیق تدوین اور تشریح

ڈاکٹر سید تقی عابدی

دو تاریخی شاہکار نظمیں

تحقیق تدوین اور تشریح

ڈاکٹر سید تقی عابدی

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہے

نام کتاب : دو تاریخی شاہکار نظمیں

مصنف : ڈاکٹر سید تقی عابدی

اشاعت : 2013

ناشر : پرنس آرٹ پرنٹرس، دہلی۔

موبائل : 9136344335,9811008439

کمپوزنگ : عروف انٹر پرائزیز، نئی دہلی، 91-9313675461

ملنے کا پتہ

Dr. Syed Taghi Abedi
1110, Secretariate, Rd. New Market
On. L3X1M4, Canada
e-mail.:taqiabedi@rogers.com

فہرست

			صفحہ نمبر
۱.	انتساب		3
۲.	رو میں ہے رخشِ عمر		5
۳.	وجہ تالیف	سید تقی عابدی	7
۴.	اردو زباں ہماری ہے	سید تقی عابدی	8
۵.	اردو زباں ہماری	مسعود اختر جمال	34
۶.	نظمِ اردو ناطق لکھنوی	سید تقی عابدی	68
۷.	نظمِ اردو	سعید احمد ناطق لکھنوی	78

انتساب

اردو کے حقوق کے پاسبان

قانون دان جسٹس مارکنڈے کاٹجو

کے نام

رو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلّص	:	تقیؔ
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا)
		ایم ایس (برطانیہ)
		ایف سی اے پی (امریکہ)
		ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری، ادبی تحقیق و تنقید
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک، کینیڈا

شریک حیات: گیتی

اولاد : دو بیٹیاں (معصومااور رویا)

دو بیٹے (رضاومرتضیٰ)

تصانیف : (40) شہید (1982) جوشِ مودّت، گلشنِ رویا، اقبالؔ کے عرفانی زاوئے، انشاء اللہ خاں انشاؔ، رموزِ شاعری، اظہارِ حق، مجتہد نظم مرزا دبیرؔ، طالع مہر، سلکِ سلامِ دبیرؔ، تجزیہ یادگارِ انیسؔ ابواب المصائب، ذکرِ دُرباران، عروسِ سخن، مصحفِ فارسی دبیرؔ، مثنویات دبیرؔ، کائناتِ عجمؔ، روپ کنور کماری، دُربارِ رسالتؐ، فکرِ مطمئینہ، خوشۂ انجم، دُرِ دریائے نجف، تاثیرِ ماتم، نجمیؔ مایا، روشِ انقلاب، مصحفِ تغزل، ھوالنجم، تعشقؔ لکھنوی، ادبی معجزہ، غالبؔ دیوانِ نعت و منقبت، چوں مرگ آید، رباعیاتِ دبیرؔ، سبدِ سخن، دیوانِ غالبؔ فارسی، فیضؔ فہمی، مطالعۂ دبیرؔ کی روایت، رباعیاتِ انیسؔ۔

زیرِ تالیف: تجزیۂ شکوہ جوابِ شکوہ، فانیؔ لافانی، تجزیہ رباعیاتِ فراقؔ گورکھپوری، اقبالؔ کے چار مصرعے، رباعیاتِ بیدلؔ، باقیاتِ فیضؔ، دیوانِ سلام و کلامِ انیسؔ۔

وجہِ تالیف

اگر چہ تقریباً سو سال قبل اردو ترقی بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی لیکن آج اردو تحفظ بورڈ کی ضرورت لاحق ہوگئی ہے۔ ان دو اُردو کی تاریخی تنقیدی اور تاثیری نظموں کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ساٹھ ستّر سال پہلے اردو کے نبّاض اُس کی زندگی توانائی اور ترقی میں درپیش سازشوں اور خطروں کو محسوس کر رہے تھے چنانچہ ان نظموں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اردو غیر ملکی زبان نہیں اردو کسی خاص مذہب کی میراث نہیں بلکہ اردو تہذیبی، ثقافتی، لسانی اور سماجی آئینہ ہے جس میں برصغیر ہی کے عکس وقتاً فوقتاً منعکس ہوتے رہے۔ ہم نے ضروری تبصرے اور حوالے نظموں کے ساتھ جوڑ دیئے ہیں جن کی تکرار یہاں ضروری نہیں ویسے بھی دونوں نظموں کا حُسنِ بیان واضح ہے تو پھر عیاں راچہ بیاں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ حُسنِ یوسف کو زندانِ مصر سے نکال کر بازارِ مصر میں پیش کریں۔

سید تقی عابدی
فروری ۲۰۱۳ء
ٹورنٹو، کینیڈا

اُردو زبان ہماری ہے

شاعر : عبدالحمید

لقب : چھوٹے میاں

ادبی نام : مسعود اختر (خاندان کے افراد سے چھُپ کر شاعری کرنے لگے اس لئے اپنا نام اور تخلّص جدا کرلیا)

تخلّص : جمالؔ

مقام پیدائش : بنارس

تاریخ پیدائش : معلوم نہ ہوسکی (۱۹۱۰ اور ۱۹۱۵ کے درمیان)

والد : محمد کریم (خود شاعر تھے ان کی ادب نوازی، خوش اخلاقی اور فیّاضی کی شہرت تھی)

دادا : مولوی محمد سعید۔ سب رجسٹرار (شاعر اور ادب ادب نواز تھے)

جدّ : مولوی عبدالقادر خان (سفیر برطانیہ)

تعلیم وتربیت : ا۔ مسعود اختر جمالؔ کو بچپن سے مطالعہ کا شوق و ذوق تھا جو انہیں ان کی تعلیم اور تہذیب یافتہ والدہ سے ملا تھا۔ جب جمالؔ سات سال کے تھے تب ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا چنانچہ انھیں بنارس سے جائس بھیج دیا گیا۔

ب۔ جائس میں ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا۔ جمالؔ پھر الہ آباد اور بعد میں ردولی گئے جہاں دو سال تک انگریزی اسکول میں پڑھتے رہے لیکن خاندان والوں کی مسلسل مداخلت سے تنگ آ کر مختلف شہروں میں گھومتے ہوئے علی گڑھ پہنچے اور علی گڑھ کو اپنا ادبی مرکز بنایا اور جلد ہی عمدہ شاعروں کے حلقے میں پہچانے گئے۔ تقریباً ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ یہاں ان کی ملاقات مجازؔ سے ہوئی۔ مجازؔ اکتوبر ۱۹۵۳ء کے ہفتہ وار تحریک میں لکھتے ہیں۔ ''مسعود اختر جمالؔ سے میری دوستی آج کی نہیں۔ بیس بائیس سال کی ہے۔ پہلے پہل وہ مجھ سے علی

گڑھ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے ملے
تھے اس وقت بھی میں نے ان کے دل میں
اُردو ادب کے بارے میں ایک مخصوص جوش و
خروش اور خلوص پایا تھا۔''

منتخب کلام : جمالؔ کی پہلی نظم جس کی بہت شہرت ہوئی وہ
''صبح بنارس''، تھی۔

دوسری نظم جس نے برصغیر میں انقلاب کیا وہ
''باغی کا ترانہ''، تھی۔

اور تیسری نظم جس نے انھیں زندۂ جاوید کر دیا وہ
''اردو زباں ہماری'' ہے۔

اُردو زباں ہماری

آج سے لگ بھگ ساٹھ (۶۰) سال پہلے مسعود اختر جمالؔ نے یہ شاہکار، ادبی، تاریخی اور احساساتی یادگار نظم لکھی جو آج بھی گُل تر کی طرح اُردو ادب کی گُل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس زندۂ جاوید نظم سے اُردو کے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی نا آشنا ہیں اور ہماری یہ سعی و کوشش اُردو کے پرستاروں کو اس عظیم سرمایہ سے واقف کروانے کی اپج ہے۔ یہ نظم (۶۱) اکسٹھ بندوں پر مشتمل مسدّس کی شکل میں ہے جس کی ادبی، شعری، تاریخی، تہذیبی، جذباتی، سماجی، ثقافتی، لسانی، حقیقی اور مقامی اقدار کے ساتھ ساتھ قادر الکلامی، معجز بیانی، شگفتگی، روانی اور دلکشی اس کے ہر بند میں چمک رہی ہے۔ راقم نے یہ مناسب سمجھا کہ اس سلیس نظم کی تشریح کرنے سے بہتر اس پر کئے گئے مشاہیر شعر و ادب کے ریویو کو پیش کرے تا کہ گلدستۂ نظم کے ہر پھول کے رنگ، شکل، خوشبو اور خصوصیات سے آگاہی ہو سکے۔ اُردو کے مایہ ناز شاعر جگرؔ مرادآبادی قومی آواز، اکتوبر ۱۹۵۲ء میں لکھتے ہیں۔

''اُردو زباں ہماری'' عزیزی مسعود اختر جمالؔ کی فکر پختہ کا تازہ تر کارنامہ ہے۔ انھوں نے بروقت اس نظم کو پیش کر کے تمام ادیبوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ وہ قدیم معیاری ادب اور جدید شعورِ ادبی اور رجحانات عامّہ سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح با خبر ہیں بلکہ عملاً بھی اُن کی زندگی اور اُن کا کلام ان صداقتوں اور تقاضوں کے آئینہ دار ہیں، تاریخی حقائق و بصائر کو اس جوش بیان روانی اور منطقی استدلال کے ساتھ نظم کرنا آسان بات نہیں لیکن جمالؔ نے اس نظم میں ادبی معیار اور شعری لطافتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ اب یہ فرض ہم سب کے ذمّہ رہ جاتا ہے کہ اس نظم کی اشاعت وسیع تر پیمانے پر کی جائے تا کہ ہندوستان کے عوام اردو زبان کی زندہ علامات سے باخبر ہو کر عملی جدو جہد کی طرف مائل ہو سکیں اور اس طرح اپنی توجہات کا بڑا حصہ صالح اردو ادب کی بقا و احیا کے لئے وقف کر دیں۔''

اُردو غزل و رباعی کے عظیم شاعر فراقؔ گورکھپوری تحریک ہفتہ وار ۱۹۵۳ء میں لکھتے ہیں۔

''بہت سے لوگوں کو یہ بھرم ہو گیا ہے کہ اگر ہندوستان کے ساڑھے چھتیس کروڑ آبادی میں ایک

کروڑ آدمی بھی اُردو میں لکھے پڑھے رہیں تو ہندی ترقی نہیں کرسکتی۔ میرا یہ جملہ ہی ایسے لوگوں کے بے بنیاد خیال کو طشت از بام کر رہا ہے۔ ہمارے دیش میں ہندی کے علاوہ کئی ایسی زبانیں ہیں جن کے پھولنے پھلنے کے باوجود ہندی بھی پھل پھول سکتی ہے۔ پھر ایک اُردو غریب نے کیا خطا کی ہے کہ اگر بھارت کی ایک درجن زبانوں کے ساتھ وہ بھی پھلتی پھولتی رہے تو یہ بات ہمیں ایک آنکھ نہ بھائے۔ اپنے ہاتھ سے اپنے دیش کے کارنامے مٹانا، اپنی زندہ تاریخ کی جڑیں اُکھاڑنا کہاں کا دیش پریم ہے۔ اگر ملک محمدؒ جائسی، سورداس، تلسی داس اور ہندی کے سینکڑوں ہندو مسلمان شاعروں نے وطن کی خدمت کی تو کیا میرؔ، غالبؔ، نظیرؔ اکبر آبادی، آتشؔ، انیسؔ، چکبستؔ، نسیمؔ، رتن ناتھ سرشارؔ اور سیکڑوں اُردو کے ہندو مسلمان سکھ اور عیسائی ادیبوں نے بھارت ماتا کی سیوا نہیں کی۔ میرے عزیز دوست مسعود اختر جمالؔ کی نظم ''اُردو زباں ہماری'' ہماری آنکھیں کھول

دیتی ہے اور اس بات کا جیتا جاگتا احساس اور صحیح اندازہ کرا دیتی ہے کہ اُردو کی دنیا کتنی بھر پور دنیا ہے۔ کیا ہندی سے محبت کے یہی معنی ہیں کہ اُردو کے باغ کو پھونک دیا جائے اور جن سماجی حالات نے میرؔ، غالبؔ اور چکبستؔ کو پیدا کیا۔ وہ حالات مٹا دئے جائیں کہ اس خاکِ ہند سے آئندہ اَمر اُردو ادیبوں کے جانشین نہ اٹھنے پائیں۔ اور ہمارے رنگا رنگ، کلچر کے اس باغ میں خاک اڑنے لگے۔ جمالؔ کی اس خوب صورت نظم کو گھر گھر میں پہونچانا ہر اُس آدمی کا فرض ہے جسے ہندوستان کی تہذیب سے محبت ہے۔''

مشہور انقلابی شاعر اسرار الحق مجازؔ لکھتے ہیں۔

''اُردو کے سلسلہ میں اُن کی نئی طویل نظم ایک شاندار ادبی کارنامہ ہے۔ اس نظم میں اُردو کے ارتقا کی ایک نہایت دلآویز تصویر کشی ملتی ہے۔ جن افراد نے اپنے اپنے دور میں اُردو کے ارتقاء میں حصہ لیا ان کا تذکرہ نہایت خلوص سے کیا گیا

ہے۔ نظم کا حُسن ادبی حیثیت سے مسلّم ہے یہ نظم اس نوعیت کے لحاظ سے بہت اہم ہے کہ وہ اُردو کی عظیم تحریک کا ایک جزو ہے۔ جمالؔ نے یہ نظم لکھ کر اپنا حق ادا کر دیا ہے اور اب ایک اجتماعی تحریک ہی اُردو کی ترقی کی ضامن ہوسکتی ہے۔''

چرن سرن نازؔ اس نظم کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''یہ نظم اُردو ادب کی تاریخ ہی نہیں ہندوستانی لسانی ارتقاء پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہے۔ کالی داس کے زمانے سے ہندوستان کے عوام کی زبان ہزاروں قالب بدل کر اُردو کے سانچے میں کس طرح ڈھل گئی اور کس طرح اُردو زبان عوام کے احساس کی ایک جیتی جاگتی تصویر بن گئی۔ اس کے بعد مختلف دور میں اُردو کے ادیبوں نے کس طرح اس کا دامن اپنے جواہر پاروں سے بھرا اور اس زبان کے ارتقا میں حصہ لیا اور اسے کنایوں اور استعاروں میں نہایت موثر اور دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ نظم ہماری تحریک کا ایک جزو ہے کیوں کہ ہمارا مقصد ان ادیبوں کے کارناموں کو زندہ رکھنا ہے جنھوں نے اُردو زبان کی

تعمیر و تشکیل میں اہم حصہ لیا ہے۔''

سید کلب عباس تحریک ہفتہ وار رائے بریلی اکتوبر ۱۹۵۳ء میں لکھتے ہیں۔

''اُردو زباں ہماری'' جیسی نظمیں اس وقت بہت اہمیت رکھتی ہیں، اس لیے کہ وہ بیک وقت دو ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ایک زبان اُردو کی ترقی اور دوسرے اس کے تحفظ کی اگر تحفظ کے اقدامات غیر موثر طریقے سے کئے جائیں تو وہ دلنشیں اور مقبول عام نہیں ہوتے۔نظم اور پُر اثر نظم سے زیادہ موثر کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی۔''

بنارس کالج کے پروفیسر شیوناتھ پانڈے لکھتے ہیں۔

''جمالِ اُردو کی ایک اجمالی تصویر جس کی مصوری حضرت جمالؔ نے اپنے سحر نواز قلم سے کی ہے۔یہ نظم ایک مختصر تاریخ ہمارے ادب کی ہے۔موصوف نے نہایت فراخ حوصلگی اور دیدہ ریزی سے بہت سے گمنام شعرا کو زندگی دوام بخشا ہے۔حضرت جمالؔ کی قدر و منزلت میرے نزدیک بہت بڑھ جاتی ہے

جب میں انھیں مغلوں کی فارسی اور عربی نوازی کے خلاف نفرین کرتے دیکھتا ہوں اور آئندہ زمانے کے لئے زبان اُردو کو عوام کی زبان کی حیثیت سے تسلیم کئے جانے کی خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

تھے عہدِ مغلیہ میں حالات ناموافق
عمّال سلطنت تھے سب فارسی کے عاشق
اُن کی زباں پہ ہر دم فرہاد و قیس و وامق
جمہور خود مگر تھے اپنی زباں کے خالق

لشکر ہر اک زباں کا سنگم بنا ہوا تھا
اب اک نئی زباں کا آغاز ہو رہا تھا

اس کے بعد جناب جمالؔ مغلوں کی رجعت پسندانہ جذبے کی مذمت کرتے ہوئے عوام کی مرضی کے خلاف ان کوششوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور ساتھ ہی واضح انداز میں زبانوں کی ترویج کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔

اس کشمکش میں لیکن گھن لگ گیا وطن کو
ترویجِ فارسی کا تھا خبط انجمن کو

ہو سنسکرت رائج یہ فکر برہمن کو
بھاشا میں گفتگو کی خواہش تھی اہلِ فن کو

اہلِ سخن کے دل میں تھی آرزو سخن کی
اُن کے سرشک غم سے تھی آبرو سخن کی

جمالؔ کہتے ہیں ہماری آواز اپنے ہی گلشن میں آوازِ صحرا بنی ہوئی ہے اپنی ہی جنم بھومی اور وطن میں اُردو کے ساتھ بیگانگی برتی جا رہی ہے۔ جناب جمالؔ گمراہ نہیں ہونے دیتے اور بلند حوصلگی اور پیہم جدو جہد سے زبان اُردو کو اس کا مناسب مقام دلانے کی تلقین کرتے اور اپنے ساتھ ہمیں بھی حسبِ ذیل عزم دہرانے پر مجبور کرتے ہیں۔

بزدل نہیں کہ ڈر سے میدان چھوڑ دیں گے
دیوِ ستم کا پنجہ اک پل میں موڑ دیں گے
نفرت کا ہر شکنجہ ہم بڑھ کے توڑ دیں گے
ٹوٹے ہوئے دلوں کو الفت سے جوڑ دیں گے

اُردو ہمارا حق ہے ثابت یہ ہم کریں گے
اس کے لئے جئیں گے اس کے لئے مریں گے

مظہر الحق ایڈیٹر اعلان بنارس لکھتے ہیں۔

''جنگ آزادی کی صف اوّل کا شاعر جمالؔ جس کی نظمیں انگریزوں کے لئے تازیانہ تھیں جس کا قلم آگ برسا رہا تھا جس زبان کے دامن کے سایہ میں اُس نے عرصہ تک آزادی کے گیت گائے تھے اس زبان کے ساتھ نا منصفانہ سلوک دیکھ کر ایک بار پھر اسی مجاہدانہ تیور سے اُجاگر ہوا ہے اس مرتبہ جمالؔ نے اپنی زبان کے دامن کا پرچم بنالیا ہے۔'' اُردو زباں ہماری'' صرف اک نظم نہیں ہے بلکہ ایک سنگِ میل ہے۔ جمالؔ نے اُردو کے متعلق کبھی اس نظریہ سے نہیں سوچا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اُردو زبان مہذب انسانوں کی زبان ہے اس کی تعمیر میں ہندوستان اور ملک کی دوسری قومیں برابر کی شریک رہی ہیں اور آج اس دور ابتلا میں بھی شریک ہیں۔

ع۔ ہر اک زباں کا سنگم اُردو زباں ہماری

جعفر علی خان اثرؔ قومی آواز میں لکھتے ہیں۔

''مسعود اختر جمالؔ صاحب کا مسدّس'' اُردو زباں

ہماری'' نظم و نثر اُردو کی مختصر مگر جامع تاریخ کا ایک جزو ہے اس پر لطف یہ ہے کہ محض مصرعوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ شاعرانہ خوبیوں اور لطافتوں کی وجہ سے دامانِ گلچین و سبد گل فروش کا مصداق ہے۔ زبان اتنی سہل و سادہ ہے کہ ہر شخص لذت اندوز ہو کر اُردو کی وسعت و ہمہ گیری کا اعتراف کرے، ہٹ دھرمی کی بات اور ہے۔''

معین الدین احمد ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ میں لکھتے ہیں۔

''مسعود اختر جمالؔ نے اُردو زبان کی مختصر تاریخ اس کی خصوصیات اور اُس کے پرستاروں کے جذبات کو بڑی خوبی اور دلکشی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر ہیں اس لئے تاریخ اور واقعہ نگاری میں بھی شعر و ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے اور اس کے بعض بند تو ادبی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ نظم اپنے جذبات و خیالات کے لحاظ سے اُردو کا ترانہ بنانے کے لائق ہے۔''

محمد حسن لکھتے ہیں۔

''تہذیبی بحران کے اس عہد میں مسعود اختر جمالؔ کی

یہ نظم نئے حوصلے اور خود اعتمادی کی مشعل ہے۔ آج اُردو داں طبقے کو اور ان سب لوگوں کو جنھوں نے جمہوری قدروں کا احترام کرنا سیکھا ہے اگر کسی چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تو خود آگاہی اور خود اعتمادی کی انھیں ان کے شاندار ورثے سے آگاہ کرنا اور اُردو کی زندہ شاداب اور متنوع روایات کا احساس دلانا اہم ترین فریضہ ہے۔''

آل احمد سرور قومی آواز میں لکھتے ہیں۔

''یوں تو جمالؔ سے پہلے ناطقؔ لکھنوی نے اُردو کی داستان بڑی چابک دستی سے نظم کی تھی اور اس میں تاریخی واقعات اور شواہد سے مدد لی تھی۔ مگر اپنی تاثیر اور نغمگی، جوش اور روانی میں یہ نظم بھی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس میں اُردو کی بنیاد اور اُس کی ابتدا اور ارتقاء کا ایک تاریخی اور سماجی تصوّر ملتا ہے اور اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کے کارناموں پر بڑے بلیغ اشارے ہیں۔ اُردو میں عوام دوستی جمہور پرستی، انسانیت، رواداری اور تہذیب کی جو روایات

ملتی ہیں ان کا پورا پورا احساس ہی اُردو زبان جس طرح ہمارے مزاج شخصیت، روح اور جذبات کی گہرائیوں کی آواز بن گئی ہے۔ اس کا بڑا دل کش اور پر اثر بیان ہے۔ جمالؔ کے کلام میں جو زور اور جوش، جو بانکپن اور فن کاری ہے، اس میں شراب کی سی مستی اور تلوار کی سی تیزی قدم قدم پر محسوس ہوتی ہے۔ مسدّس بڑی کافر صنفِ سخن ہے۔ اور انیسؔ و اقبالؔ بھی اس سے بہت کچھ کام لینے کے باوجود اس کا پورا پورا حق ادا نہیں کر سکے۔ جمالؔ کو تاریخ، شعر اور نئی زندگی کے مطالبات تینوں سے بیک وقت عہدہ بر آ ہونا تھا اور انھوں نے بڑی خوبی سے اس دشوار گذار وادی کو طے کیا ہے۔''

مرزا عباس بیگ محشرؔ روزنامہ آزاد میں لکھتے ہیں۔

''نظم کو اگر لال قلعہ کے ایوان سے جو اُردو کا گہوارہ تھا تشبیہہ دی جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ سادگی، نفاست، نزاکت، مصوّری، گل کاری، حسن شان، عظمت، پاکیزگی ان میں کون چیز ہے جو اس کے دامن میں

نہیں ہے نظم ایک ادبی شاہکار نہیں معجزہ ہے جو زبان
اُردو کی زندگی تک ہمیشہ زندہ رہے گا۔''

مرزا جعفر حسین مدیر نیشن لکھنو لکھتے ہیں۔

''اُردو زباں ہماری'' ایک نظم ہے جو نہ صرف معنوی
بلکہ صوری حیثیت سے بھی بے انتہا دیدہ زیب ہے
اور اس کو دیکھ کر ہی اس کی طرف دل کھنچتا ہے، نظم
(۶۱) بندوں پر مشتمل ہے۔ مگر جمالؔ صاحب نے
اس چھوٹے سے کوزے میں ادبِ اردو کی تاریخ کا
سمندر بند کر دیا ہے یہی نہیں کہ اس نظم کو پڑھ کر ہم
اُردو شاعروں اور اُردو ادیبوں کے کام سے واقفیت
حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ جمال صاحب نے یہ تو کمال
کیا ہے کہ نہایت مختصر الفاظ میں وہ ہر شاعر کے حسنِ
بیان سے بھی ہمارا تعارف کرا دیتے ہیں۔ اس طرح
تمام اُردو ادب کے شاعروں کے تذکرے کے بعد
موصوف یہ ثابت کرتے ہیں کہ اُردو زبان کس طرح
ایک ٹھوس حقیقت ہے جس کو مٹانا ناممکن ہی نہیں بلکہ
ملک کے بنے بنائے کلچر کے ساتھ ایک کھلی ہوئی
دشمنی ہے۔''

اشتیاق حسین شوقؔ کے مستند مضمون جو روزنامہ آزاد بنارس میں شائع ہوا چند اقتباسات یہ ہیں۔

''اُردو زباں ہماری'' جمالؔ کا تازہ ترین مسدّس پیش نظر ہے۔ عجب حسن اتفاق ہے کہ مسدس ہی ایک ایسا جام ہے جو اقبالؔ، انیسؔ اور حالیؔ کی شراب کہنہ کے ساتھ جمالؔ کی مئے دو آتشہ کا حامل ہے۔ یہ نظم مسلسل ایک داستان ہے ایک افسانۂ ارتقا ہے۔ یہ تصوّر شعر کے ذریعہ عوام کے لئے آبِ حیات ہے۔ جمالؔ نے اُردو کی کس مپرسی پر نوحہ نہیں پڑھا۔ جمالؔ کا تصور زبان کے بارے میں یہ ہے

بنتیں نہیں زبانیں یوں سعیٔ ناروا سے
ربط بیان و معنی ہے جہد للبقا سے
ہوتی نہیں ہے بارش لفظوں کی آسماں سے
ماخوذ ہر زباں ہے جمہور کی زباں سے

اور اس تصوّر کا مالک اس زندہ زبان کی تعریف اس طرح کرتا ہے۔

ہندوستاں کے دل کا جذبِ نہاں ہے اُردو
اقوام ایشیاء کا عزمِ جواں ہے اُردو
مشرق کے ارتقاء کا حُسنِ بیاں ہے اُردو
مغرب کے گلستاں کا سروِ رواں ہے اُردو

جمالؔ اُردو زبان کے معماروں کے نام ہی نہیں گنواتے ہر شاعر اور ادیب کے چہرے کے خدوخال کا سطحی عکس نہیں پیش کرتے بلکہ ان کی ادبی اور لسانی خدمت کا نچوڑ چند الفاظ کی خوشنما تراکیب سے اس طرح پیدا کرتے ہیں کہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس مخصوص فنکار کی خصوصیت کیا تھی۔ میر انیسؔ پر ایک شعر نے وہ کیفیت پیدا کر دی جو سینکڑوں نظمیں جواب میں پیش نہیں کر سکتیں۔

نطقِ انیسؔ کیا ہے اک زندہ معجزہ ہے
ظالم حکومتوں پر خاموش تبصرہ ہے

کون اس شعر کو پڑھ کر گرونانک اور کبیر سے استفادہ نہ کرنا چاہے گا۔

نانکؔ کو اس زباں کی دن رات جستجو تھی
ہر دم کبیرؔ کو بھی منزل کی آرزو تھی

حالیؔ، شبلیؔ، آزادؔ، سرسیّد اور علاّمہ اقبالؔ پر اس بند کو دیکھئے

حالیؔ کے میکدے کا جامِ صفات اُردو　　شبلیؔ کی انجمن میں قند و نبات اُردو
آزادؔ کے سبو میں آبِ حیات اُردو　　سیّد کے ہر نفس میں عرفانِ ذات اُردو
اقبالؔ کی نظر میں انعامِ داوری ہے
معراجِ زندگی ہے رازِ پیمبری ہے

شیومورت لال قیسؔ رائے بریلی کے ہفتہ وار تحریک میں کہتے ہیں:

''اردو زباں ہماری'' اردو زباں کی رزمیہ تاریخ اور اپنی طرح کا ایک نرالا شاہکار و تازہ تر کارنامہ ہے آپ نے اپنی اس نظم میں حسن انداز و حسن و خوبی کے ساتھ اردو ادب کی تاریخ اور ہر دور کے ممتاز شعراء و ادیب کو پیش کیا ہے وہ لطافت ادبی اور شاعرانہ خوبیوں سے خالی نہیں ہے۔''

شجاعت حسین اعظمی 1952ء کے ہفتہ وار تحریک میں لکھتے ہیں:

''جمالؔ ابتدا ہی سے زمانہ کے سرد و گرم کا تجزیہ کر کے ایک باغیانہ فضا پیدا کرتے رہے اُن کی پہلی انقلابی نظم ''باغی کا ترانہ'' اب تک ایک نعرۂ عمل بنی ہوئی ہے۔ اُن کی تمام نظمیں ایک فلسفیانہ استدلال کے

ساتھ ہمیں ارتقا کی منزلوں کی طرف بڑھنے کا پیغام دیتی ہیں۔ جمالؔ جب تک کسی مسئلہ کو اچھی طرح غور وفکر کے ساتھ سمجھ نہیں لیتے اس پر قلم نہیں اُٹھاتے وہ نعرہ باز انقلابی شاعر نہیں ہیں۔ یہ نظم ان کی زندۂ جاوید نظموں میں سے ایک ہے۔''

محمد عبدالباری نائب صدر انجمن ترقی اردو روزنامہ آزاد بنارس میں لکھتے ہیں:

''اردو زبان ہماری'' دراصل زبان اردو کی آپ بیتی کہانی ہے، جسے ارضِ ہند کے جوان فکر شیریں مقال شاعر مسعود اختر جمالؔ نے عوامی گیت کا روپ دے کر کچھ اس طرح گنگنایا ہے جس سے ہزاروں نغمے برس پڑے ہیں، اور جس کا ہر نغمہ شاعر کی حریت انگیز تخلیقی دیانت اور اس کی غیر معمولی سخنورانہ طرزِ نگارش پر خود ایک بے لاگ اور بے بدل تبصرہ ہے، چمنستانِ اردو کا یہ دمکتا شہ پارہ جہاں شاعرانہ فنکاری کے تمام جمالیاتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے، وہاں شاعر کی یہ کاوش بھی لائق ستایش ہے، اُس نے ''اردو زباں ہماری'' کے ہر شعر کو

حقیقت کا ترجمان بنا کر مورّخ خانہ انداز کو بدرجہ اتم قائم رکھا ہے، شعر پر شعر پڑھتے جایئے، اس کی دلآویز نغمگی کی تراوش میں ارتقائی دھارے کے صد ہا اُبلتے چشمے آپ کو شرابور کرتے ہیں۔ ''حیاتِ اردو'' کا یہ منظوم شاہکار فی الواقع ہمارے ادبی سرمایہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے، نیز اس امر سے بھی کسے انکار ہے، کہ شاعر نے ہر دور کے فنکاروں کو نہ محض ہم سے روشناس ہی کرایا ہے، بلکہ انہیں اپنے اشارات مسیحائی سے زندہ جاوید کر دیا ہے، اور خود بھی زندۂ جاوید ہو گیا ہے۔

اردو کے احیاء بقاء کے لئے ضروری ہے کہ اس کی منظوم سوانح کا ایک ایک شعر عوامی گیت بن جائے، اور ہر زبان سے اردو کے لئے ایسی للکار بلند ہو، جس کے مقابل تمام مخالف آوازیں پست ہو جائیں، اور ہماری محبوب مادری زبان اردو کو اُس کی چھینی ہوئی جگہ پھر واپس مل جائے۔''

اقبال سہیل قومی آواز مورخہ اکتوبر 1952ء میں اس نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

''عزیزی مسعود جمالؔ سلمہ ملک کے ان نوجوان شعراء میں ہیں جن پر وطن کو بجا طور پر ناز ہے۔ حال میں اُن کی نظم اردو زبان کی حمایت میں دیکھ کر زبان سے بے اختیار صدائے تحسین نکل گئی، تاریخی واقعات اور فلسفیانہ استدلال کو نظم کرنا آسان نہیں ہے، مگر مسعود اختر جمالؔ نے اس نظم میں اپنے ادبی مرتبہ کو قائم رکھا ہے، اور طرز بیان کی دلکشی، بندشوں کی لطافت اور لہجہ کا اعتدال ادبی مرقع کاریوں کے ساتھ جو مسعود اختر جمالؔ کی شاعرانہ خصوصیات ہیں، اس نظم میں بھی برقرار ہیں، میری نظر سے اب تک اردو زبان کے متعلق اتنی مدلّل، متوازن اور ادیبانہ نظم نہیں گزری، اس نظم کی اشاعت ایک لسانی خدمت اور قومی فریضہ ہے۔''

قدیر بنارسی روزنامہ آزاد نومبر 1952ء میں لکھتے ہیں:

''''اردو زباں ہماری' اس عہد کی بہترین تصنیف ہے، یہ نظم صرف اردو زبان کی تاریخ ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی منقلب روح قومی جدو جہد اور لسانیات کے ارتقا کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا

ہے کہ اردو زبان ہندوستان کی مختلف العقائد جماعتوں کی زندہ علامت ہے، اس قدر خشک اور غیر دلچسپ موضوع پر قلم اُٹھانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، لیکن اس نظم کا شاعرانہ انداز بیاں تغزّل کی تمام تر طاقتوں کے ساتھ ایک ادبی کارنامہ ہی نہیں بلکہ ایک معجزہ ہے۔ بعض بعض جگہ تو رمز و کنایہ میں تاریخی واقعات کی منطقی استدلال کے ساتھ اس طرح ترجمانی کی گئی کہ ایک ایک مصرع میں صدیوں کی روح سمٹ آئی ہے۔ انہوں نے یہ نظم لکھ کر بنارس کا نام روشن کر دیا ہے، یہ اردو ادب میں ایک زندہ جاوید اور گراں قدر اضافہ ہے۔''

نومبر 1952ء صغیر احمد صوفی روز نامہ بنارس میں کہتے ہیں:

''تمام ناقدوں اور ادیبوں نے ایک زبان ہو کر اس کی تعریف کی لیکن میرے نزدیک ایک بات اہم ترین ہے اور وہ یہ کہ جمال نے پوری نظم میں غیر متعصّبانہ رویہ رکھا ہے، انہوں نے دیگر زبانوں کی کہیں مذمّت نہیں کی ہے، اردو زبان کی بقا کی جدو جہد میں انہوں نے دیگر زبانوں پر تعصّبانہ تنقید کو

اختیار نہیں کیا اور یہی جذبہ ایسا ہے جس سے ہم ان کے روشن ضمیر ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں، وہ زندگی میں ایک صحت مند نظریے کے قائل ہیں، جہاں ہر شخص کو اپنی زبان کو پروان چڑھانے کا حق ہوتا ہے، مگر دوسری زبانوں پر حملہ کرنے کا حق نہیں ہوتا، اس کتاب کو لکھ کر انہوں نے بقا کی منزلوں کو چھولیا ہے، اور اردو کی تاریخ جمال کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔''

علیم مسرور 13 نومبر 1952ء روز نامہ آزاد میں اس نظم پر ریویو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اردو زباں ہماری 'شاہنامہ اردو ہے' اس نظم میں جمالؔ نے تاریخ ادب اردو کو ایک انوکھے دلکش مگر تحقیقاتی اور سائنسی انداز میں زباں اردو کی بخشی ہوئی قوتِ سخن صرف کر کے پیش کیا ہے اور اس طرح ادب اردو کے حق کی جو گراں باری اُن کے فکر واحساس پر تھی اس سے سبکدوش ہو گئے۔ ہر اردو خواں کا فرض ہے کہ وہ اس نظم کو اپنی تہذیب وتمدّن، علم وحکمت اور حق وفرض کی دستاویز سمجھ کر پڑھے۔''

روشنؔ بنارسی ہفتہ وار تحریک رائے بریلی میں لکھتے ہیں:

''اختر جمالؔ نے ع 'ہر اک زباں کا سنگم اُردو زباں ہماری' کا نعرہ لگا کر ہر فرقہ کے انصاف پسند انسانوں اور خصوصاً فرقہ پرست ذہنیتوں کو چونکا یا ہے، اور یہ سوچنے پر مجبور کیا ہے، کہ جس طرح اردو زبان سنسکرت، ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کا ایک خوشنما سنگم ہے، بالکل اسی طرح اس کے بولنے والے بھی وہ خواہ کسی قوم و مذہب کے ہوں آپس میں ایک دوسرے کی محبت کا سنگم ہیں، اور اتحادِ عمل کی بولتی ہوئی تصویریں ہیں، زبان اردو کو فنا کرنے کی کوشش کرنا سینکڑوں برس کے مختلف العقائد جماعتوں کے اتحاد اور رواداری کی جیتی جاگتی تاریخ کو پُرزے پُرزے کر دینے کے مترادف ہے۔''

''اردو زباں ہماری'' تاریخ ادب کا ایک ایسا مکمل مرقع ہے، جس میں ماضی و حال کے مشاہیر ادب بلاتفریق مذہب اپنے مخصوص اوصاف کے ساتھ ہمیشہ محفوظ رہیں گے، اس نظم کی روشنی میں ''آبحیات'' کی ایسی کتنی ہی پیش بہا تالیفات وتصنیفاتِ عالم

وجود میں آئیں گی، جن سے ادبی دنیا جگمگاتی رہے گی، اور جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ بنتی رہیں گی، یہ نظم محاسنِ شعرو ادب کا نہایت ہی کامیاب شاہکار ہے، اس میں گنگا کی شوخ روانی، زم زم کی سنجیدہ ثابت قدمی، چاندنی کی لطافت، شہد کی حلاوت، زندگی کا وقار، عزم آہنی کی جھنکار بیک وقت ساری کیفیتیں یکجا نظر آتی ہیں، یوں تو کتنے ہی مدلّل اور تاریخی مضامین اردو پر لکھے گئے، اور وہ سب ہی سپردِ طاق نسیاں ہو گئے، مگر یہ منظومِ تاریخ ادب ''اقبالؔ مرحوم'' کے ترانہ

''سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا''

کی طرح ہر قوم کا اشتراکی ترانہ بنے گی اردو کو چراغِ دیر و حرم کے مانند روشن رکھنے میں مدد دے گی۔

اُردو زباں ہماری

(۱)

ہر اک زباں کا سنگم، اُردو زباں ہماری
تہذیبِ نو کا پرچم، اُردو زباں ہماری
عکسِ شبابِ عالم، اُردو زباں ہماری
رعنائی مجسّم، اُردو زبان ہماری

یہ صبحِ زرفشاں ہے، اک انقلابِ نَو کی
اُردو زباں کرن ہے، اک آفتابِ نَو کی

(۲)

موجِ کمند اس کی ہے اوجِ آسماں پر
سکّہ رواں ہے اس کا، اقلیم دو جہاں پر
ہے اختیار اس کا، دُنیا کی ہر زباں پر
نغمہ سرا ہے اُردو، ہر شاخِ آشیاں پر

یہ وہ بہار ہے جو بیگانۂ خزاں ہے
یہ عطرِ زندگی کی خشبوئے جاوداں ہے

(۳)

یہ مونس و رفیق و دمساز ہے ہماری
تا عرش اس کے دم سے پرواز ہے ہماری
اس کی سخن طرازی ہمراز ہے ہماری
یہ نطق ہے ہمارا ، آواز ہے ہماری

کیا خوف دشمنوں سے، کیا زندگی کا غم ہے
مٹنے نہ دیں گے اس کو جب تک کہ دم میں دم ہے

(۴)

طفلی میں سحر آ گیں، دلکش رباب اس کا
جاہ و جلالِ طوفاں، عہدِ شباب اس کا
امن و امانِ ساحل، پیری میں خواب اس کا
مژدہ حیاتِ نو کا، ہر انقلاب اس کا

بزمِ نشاط میں ہے، یہ جامِ ارغوانی
رزمِ حیات میں ہے، شمشیر کی روانی

(۵)

لشکر کی یہ زباں ہے، کہتے ہیں اس کو اُردو
کیا ہندو و مسلماں، کیا قصّۂ من وتو
یہ پھول وہ ہے جس کی ہر سانس میں ہے خوشبو
جو سر پہ چڑھ کے بولے، وہ ہے اسی کا جادو

یہ قول کی ہے پکّی، یہ بات کی دھنی ہے
خنجر کی یہ زباں ہے، نیزے کی یہ اَنی ہے

(۶)

جوہر ہے یہ خودی کا، جرأت کا یہ نشاں ہے
پیغامِ عصرِ نَو ہے، رُودادِ رفتگاں ہے
تصویر جامِ جم ہے، آئینۂ جہاں ہے
اُردو زباں ہماری، جمہور کی زباں ہے

جو ہے خمیرِ انساں، وہ آب و گِل یہی ہے
سازِ نفس یہی ہے، آہنگ دل یہی ہے

(۷)

بحرِ سخنوری کا ، گوہر یہی زباں ہے
عرفانِ سرمدی کا، پیکر یہی زباں ہے
شاہینِ آگہی کا، شہپر یہی زباں ہے
تاریخِ زندگی کا ، محضر یہی زباں ہے

روشن ہوئی اسی سے، انسانیت کی مشعل
جمہور کی زباں کا، اُردو ہے نقشِ اوّل

(۸)

اُردو زباں سے پہلے، کیا حال تھا وطن[1] کا
مشکِ سخن سے خالی، نافہ تھا اس ختن کا
پامالِ جورِ گلچیں، ہر گل تھا اس چمن کا
بے نور ہو چکا تھا، فانوس علم و فن کا

رعنائیاں فضا میں یوں تو برس رہی تھیں
خاموش تھیں زبانیں آنکھیں ترس رہی تھیں

(۹)

نورِ خدا کا پرتو، دنیائے اہلِ زر تھی
پہرا تھا مندروں پر، برہم صفِ بشر تھی
ہر نالہ نارسا تھا، ہر آہ بے اثر تھی
تفسیرِ یاس وحرماں، مزدور کی نظر تھی

زندانِ بیکساں تھا، باغِ وطن ہمارا
جاگیرِ برہمن تھا، ہر علم وفن ہمارا

(۱۰)

عفریت بن کے ہر سو، ڈستے تھے مار و کژدُم
تھا داغ تیرہ بختی کشکولِ ماہ و انجم
اشکوں میں ڈھل گیا تھا، بجھتا ہوا تبسم
تھا رہزنوں کے بس میں، سرمایۂ تکلم

جذبات کے دفینے، دل میں گڑے ہوئے تھے
جمہور کی زباں پر، تالے پڑے ہوئے تھے

(۱۱)

لیکن عوام ۲ اُبھرے، طوفاں بدوش اُبھرے
باصد وقار اُٹھے، باصد خروش اُبھرے
باربط وضبط اٹھے، باہوش و گوش اُبھرے
تقدیر ساز اُٹھے، تدبیر کوش اُبھرے

چھیڑے گئے ترانے، صحرا میں گُلستاں میں
ڈھلتے گئے فسانے، آسان تر زباں میں

(۱۲)

وہ سنسکرت تھی جو میراث آریوں کی
توقیر ایشیا میں تھی جس کے عالموں کی
افسوس بن گئی تھی روزی وہ پنڈتوں کی
تھی جاہلوں کی صف میں وہ تال اور سُروں کی

اوّل زباں بدیسی ، دوئم عوام دشمن
محنت کشوں کی بیڑی، پونجی پتی کی سُمرن

(۱۳)

قبل از مسیح دیکھو، تاریخ تو اٹھا کر
یونان کا تمدّن ، لایا یہاں سکندر
ایران بھی یہاں سے جاتے رہے سخنور
آتے رہے یہاں بھی تاجر عرب کے اکثر

الفاظ جو گراں تھے، مردہ ہوئے لغت میں
جو چڑھ گئے زباں پر پھیلے وہ شش جہت میں

(۱۴)

بعد از مسیح بھی تھا، یہ میل جول قائم
آخر کو رنگ لایا، یہ ربط وضبط دائم
بن جاتے وہ بھی انساں، ہوتے اگر بہائم
لچکی کمان بن کر جو شاخ تھی ملائم

تھے پرفشاں ہوا میں الفاظ تیر بن کر
آئے جو لب سے نکلے وہ جوئے شیر بن کر

(۱۵)

اور اس کے بعد آئے اسلام کے پجاری
کی اپنے خونِ دل سے، بھارت کی آبیاری
ہمراہ اپنے لائے اندازِ غم گساری
ہر اک ادا میں ان کی تھا ذوقِ جاں نثاری

گم کردۂ جنوں تھے، منزل کو پا گئے وہ
طوفاں سے لڑتے لڑتے ساحل پہ آ گئے وہ

(۱۶)

وہ صوفیانِ اکرم، وہ رہبرانِ کامل
موجِ نظر سے جن کی، پیدا ہزار ساحل
نقشِ قدم میں جن کے تھیں سیکڑوں منازل
خوش خلقیوں میں کوئی جن کا نہ تھا مقابل

اب تک مزار ان کے ہیں مرکزِ عقیدت
کیا گبر، کیا مسلماں آتی ہے ساری خلقت

(۱۷)

شاہی بھی جن پہ قرباں ایسے فقیر تھے وہ
بچّوں میں تھے وہ بچّے، پیروں میں پیر تھے وہ
روشن دماغ تھے وہ، روشن ضمیر تھے وہ
شیرینیٔ سخن کی، اک جوئے شیر تھے وہ

ہر گفتگو مہذب، ہر بات ان کی پیاری
جمہور کی زباں پر تھا ان کا فیض جاری

(۱۸)

یوں اس زباں میں آئی شیرینیٔ سلاست
پیدا ہوئی سخن میں، رنگینی و فصاحت
الفاظ میں سمائی احساس کی لطافت
فقروں میں رفتہ رفتہ آتی گئی بلاغت

خواجہ [۳] فرید کو تھا عرفان اس زباں کا
سلمانؔ [۴] سعد کو تھا ارمان اس زباں کا

(۱۹)

ارضِ دکن میں اس کا راجو[۵] نے گیت گایا
زینُ ال[۶] نے گفتگو میں کچھ اس کا بھید پایا
خواجہ چراغ[۷] نے بھی فانوسِ دل جلایا
میراںؔ[۸] نے اس زباں میں قصرِ عمل بنایا

گیسو دراز خواجہ[۹] بندہ نوازؔ اس کے
قدوسِ[۱۰] عارفاں تھے جویائے راز اس کے

(۲۰)

مخدوم[۱۱] اس کو سمجھے رازِ درونِ فطرت
باجن[۱۲] امین[۱۳] سمجھے، میخانۂ حقیقت
وحدیؔ نے اس کو جانا سرچشمۂ عقیدت
سعدیؔ[۱۴] نثار ہے تھے، سرمایۂ محبت

جانمؔ[۱۵] نے اس زباں میں دارالحرم بنایا
سیوؔا[۱۶] نے اس زباں میں بیت الصنم بنایا

(۲۱)

دَورِ[۱۷] قطب میں آ کر رفعت نشاں یہ ٹھہری
وجہیؔ[۱۸] نے آ کے ڈالی بنیاد اس کی گہری
سمجھے تھے جس کو گونگی، جانا تھا جس کو بہری
بولی اسی زباں کی، اب ہوگئی تھی شہری

ارضِ دکن میں گویا بلبل چہک رہی تھی
کلیاں چٹک رہی تھیں، وادی مہک رہی تھی

(۲۲)

فائزؔ[۱۹]، شعورؔ مرزاؔ، غواصیؔ و نشاطیؔ
رونق انھیں کے دم سے تھی محفلِ ادب کی
ظلمت شکن تھے نوریؔ، گوہر فشاں تھی بحری
منزل شناس طالب معجز نما جنیدیؔ

قطبین[۲۰] کا زمانہ، مژدہ بہارِ نَو کا
سیلاب پھوٹ نکلا، اک آبشارِ نَو کا

(۲۳)

مومنؔ[۲۱] کا طرزِ دلکش، سرنامۂ بتاں تھا
بیچارہؔ[۲۲] شاعروں میں سرتاجِ شاعراں تھا
یعقوبؔ[۲۳] معرفت میں سرخیلِ عارفاں تھا
اقلیمِ دل میں شاہی سردارِ عاشقاں تھا

قرآن و وید و گیتا قالب بدل رہے تھے
سینے میں زندگی کے ارماں مچل رہے تھے

(۲۴)

اَشرفؔ[۲۴] کے لب پہ ہر دم تھا تذکرہ علیؑ کا
آئینہ شاہ میراںؔ[۲۵]، دریائے آگہی کا
ایجادِ ہاشمیؔ[۲۶] تھا، اسلوبِ ریختی کا
آہنگِ سازِ فطرت، پیغام نصرتیؔ[۲۷] کا

گلرخؔ[۲۸] کو فکر یہ تھی، نظمِ چمن بدل دیں
اَربابِ علم و حکمت طرزِ سخن بدل دیں

(۲۵)

تلسیؔ[۲۹] کے آنسوؤں کا تھا اس طرف اشارا
تھا سورداسؔ[۳۰] کو بھی امید کا سہارا
دل تھا رحیمؔ[۳۱] خاں کا اس غم سے پارا پارا
طوفاں میں جائسیؔ[۳۲] کو ملتا نہ تھا کنارا

نانکؔ[۳۳] کو اس زباں کی دن رات جستجو تھی
ہر دم کبیرؔ[۳۴] کو بھی منزل کی آرزو تھی

(۲۶)

تھے عہد مغلیہ میں حالات ناموافق
عمّالِ سلطنت تھے اب فارسی کے عاشق
ان کی زباں پہ ہر دم فرہاد و قیس و وامق
جمہور خود مگر تھے اپنی زباں کے خالق

لشکر ہر اک زباں کا سنگم بنا ہوا تھا
اب اک نئی زباں کا آغاز ہو رہا تھا

(۲۷)

اس کشمکش میں لیکن گھن لگ گیا وطن کو
ترویجِ فارسی کا، تھا خبط انجمن کو
ہو سنسکرت رائج یہ فکر برہمن کو
بھاشا میں گفتگو کی خواہش تھی اہلِ فن کو

اہلِ سخن کے دل میں تھی آرزو سخن کی
ان کے سرشکِ غم سے تھی آبرو سخن کی

(۲۸)

لیکن سخن کا دریا وہ کس طرح بہاتے
اک مُردہ کالبد کو وہ کس طرح جلاتے
بنجر زمین سے کیونکر نخلِ مُراد پاتے
اربابِ علم و دانش کیونکر زباں بناتے

بنتیں نہیں زبانیں یوں سعیِ ناروا سے
ربطِ بیان و معنی ہے جَہدِ لُلبَقا سے

(۲۹)

ہرگز حکومتوں کی سرحد زباں نہیں ہے
دربارِ سیم وزر کی مسند زباں نہیں ہے
زندہ صداقتوں کا مرقد زباں نہیں ہے
روئے زمیں پہ کوئی مفرد زباں نہیں ہے

ہوتی نہیں ہے بارش لفظوں کی آسماں سے
ماخوذ ہر زباں ہے جمہور کی زباں سے

(۳۰)

القصہ یہ فسانہ تھا ناتمام اب تک
تھا پردۂ خفا میں حُسنِ دوام اب تک
قالب کو ڈھونڈتی تھی روحِ کلام اب تک
سرگشتۂ سخن تھا ذوقِ عوام اب تک

آخر طلسم ٹوٹا ، دل کا پیام آیا
اَربابِ انجمن کے، ہاتھوں میں جام آیا

(۳۱)

گلشنؔ ۳۴، عزیزؔ، احمدؔ، گجراتی و فراقیؔ
جعفرؔ، حسنؔ، ضیائیؔ، خوشنودیؔ و لطیفیؔ
حشمتؔ، حبیبؔ، سالکؔ، عبدالرحیمؔ و فضلیؔ
محمودؔ اور کاظمؔ، آزادؔ اور فخریؔ

اب ان کی شاعری کا انداز مختلف تھا
اب نغمۂ ولیؔ کا ہر شخص معترف تھا

(۳۲)

کھلتے تھے دل کے غنچے، مضمون کے چمن میں
زینت تھی آبرو سے گنجینۂ سخن میں
رونق سراجؔ سے تھی فانوسِ انجمن میں
ناجیؔ نے روح پھونکی تصویرِ علم و فن میں

احسنؔ کی طبع عالی تھی ہم رکاب گردوں
یکرنگؔ کی غزل میں تاثیرِ چشمِ میگوں

(۳۳)

حاتمؔ کے فیض سے تھا دریا سخن کا جاری
گلبانگِ آرزو سے محفل پہ وجد طاری
تھی بزم رنگ و بو سے مظہرؔ کی میگساری
تاثیرؔ تھی فغاں کی، درمانِ زخم کاری

مخلصؔ کے حوصلے تھے اس راہ کے مسافر
شعلے یقینؔ کے تھے اس بزم کے جواہر

(۳۴)

سوزِ کلیمؔ سے تھا، روشن چراغ اس کا
عاجزؔ کی عاجزی نے پایا سراغ اس کا
ہاشمؔ کے آنسوؤں سے چھلکا ایاغ اس کا
باقرؔ کی گفتگو سے دل باغ باغ اس کا

عزلتؔ کے جذب دل سے، مانوس یہ زباں تھی
راسخؔ کے داغ دل کا، فانوس یہ زباں تھی

(۳۵)

سعیٔ دلِ حزیں سے اعجاز بن گئی تھی
تاثیرِ سوز لے کر اک ساز بن گئی تھی
جمہورِ ہند کی یہ آواز بن گئی تھی
مستقبلِ وطن کا یہ راز بن گئی تھی

اب کاروانِ دل کا یہ نالۂ جرس تھی
عرفانِ ہر نظر تھی، وجدانِ ہر نفس تھی

(۳۶)

اب نیک اور بد میں تفریق ہو رہی تھی
لفظ و بیان میں باہم تطبیق ہو رہی تھی
اب اک نئی زباں کی تصدیق ہو رہی تھی
اُردو کی رفتہ رفتہ تخلیق ہو رہی تھی

گجرات و بمبئی میں پھیلا فسانہ اس کا
سی، پی کی سرزمیں پر گونجا ترانہ اس کا

(۳۷)

پنجاب و سندھ میں، یہ تیغِ ہلالِ نَو تھی
سرچشمۂ دکن میں، موجِ طرب کی رَو تھی
دہلی کی انجمن میں، شمعِ سخن کی لَو تھی
شامِ اودھ میں آکر، صبحِ وطن کی ضَو تھی

آئی بہار میں یہ موجِ بہار بن کر
بنگال میں یہ پہنچی دل کا قرار بن کر

(۳۸)

اور اب یہی زباں ہے، اردو زباں ہماری
ہے جادۂ عمل میں، یہ کہکشاں ہماری
ہم اس کے دیدۂ دل، یہ داستاں ہماری
ہم اس کے دست و بازو یہ پاسباں ہماری

اَب یہ ہمارے دل کا سرچشمۂ یقیں ہے
خوابوں کی یہ ہمارے تعبیرِ دلنشیں ہے

(۳۹)

یہ وہ زباں ہے جس کا ہر لفظ ہے گُلِ تر
یہ ساز وہ ہے جس کے نغمے ہیں روح پرور
یہ موج وہ ہے جس میں ہے موجزن سمندر
یہ وہ شراب ہے جو کیف و سُرور بن کر

خسروؔ کے جامِ مے سے پیہم چھلک رہی ہے
ہندوستاں کی عظمت اس میں جھلک رہی ہے

(۴۰)

وہ میرؔ جس کا نغمہ مشعل فروزِ جاں ہے
جس کے شعورِ غم سے ذوقِ ادب جواں ہے
وہ جس کے خونِ دل سے رنگیں یہ داستاں ہے
اس کارواں کا اب تک وہ میرِ کارواں ہے

قائمؔ کا نغمۂ دل، بانگِ جرس ہے اب تک
مہمیزِ فکرِ تاباںؔ، موجِ نفس ہے اب تک

(۴۱)

افسونِ دردؔ داب تک سرچشمۂ طلب ہے
نیرنگِ جوشِ سوداؔ آئینۂ طرب ہے
افسانۂ عجائب رازِ طلسمِ شب ہے
باغ و بہارِ امّن ، گہوارۂ ادب ہے

جامِ نظیرؔ میں ہے، ماہِ تمام اُردو
یاں سرنوشتِ دل کا نقشِ دوام اُردو

(۴۲)

غالبؔ کے ساز میں ہے یہ جوئے بارِ نغمہ
اشکوں میں یاں رواں ہے موجِ بہارِ نغمہ
آہِ ستم کشاں ہے یاں ہمکنارِ نغمہ
ہے نالۂ حزیںؔ سے یاں اعتبارِ نغمہ

آتشؔ کے میکدے کا یہ جامِ آتشیں ہے
مومنؔ کے بتکدے کا اک پیکرِ حسیں ہے

(۴۳)

آئینہ ذوقؔ کا ہے عکسِ سخنوری ہے
مجروحؔ کی نظر میں، غم کی یہ جوہری ہے
تسکینؔ کے سخن میں، دل کی یہ مشتری ہے
انشاؔ کی انجمن میں، شیشے کی یہ پری ہے

نطق انیسؔ کیا ہے اک زندہ معجزہ ہے
ظالم حکومتوں پر خاموش تبصرہ ہے

(۴۴)

اَب تک ہے یاد ہم کو چکبستؔ کا ترانہ
طبعِ نگم[۳۵] ابھی تک ہے محرمِ ''زمانہ''
شام اودھ ابھی تک کہتی ہے غائبانہ
سرشارؔ کی زباں سے ''آزاد کا فسانہ''

اکبرؔ کی شاعری کا طرزِ سخن نرالا
ڈنکے کی چوٹ پر ہے مشرق کا بول بالا

(۴۵)

حالؔی کے میکدے کا جامِ صفات اُردو
شبلیؔ کی انجمن میں قند و نبات اُردو
آزادؔ کے سبو میں ''آبِ حیات'' اُردو
سیّد[۳۶] کے ہر نفس میں عرفانِ ذات اُردو

اقبالؔ کی نظر میں انعامِ داوری ہے
معراجِ زندگی ہے، رازِ پیمبری ہے

(۴۶)

ظلمات میں عدم[۳۷] کے، موجِ حیات کی رَو
فردوسِ یلدرم[۳۸] ہے، ذوقِ نظر کا پرتو
بزمِ سہیل[۳۹] میں ہے، خورشیدِ وقت کی ضو
مجنوں کا خوابِ دلکش، تعبیرِ منزلِ نَو

آنکھوں کی یہ زباں ہے نظروں کی رگ ہے اُردو
کشکولِ چودھری[۴۰] میں نیلم کا رنگ ہے اُردو

(۴۷)

ہے داستانِ حسرتؔ، شمعِ خموش اب تک
تعبیر آرزوؔ[۴۱] ہے، گیسوئے دوش اب تک
لغزش نیازؔ[۴۲] کی ہے، تمہید ہوش اب تک
دنیائے سرخوشی ہے، اقلیم جوش اب تک

بزمِ فراقؔ میں ہے، سوز و گداز اُردو
خلدِ حبیبؔ[۴۳] میں ہے، راز و نیاز اُردو

(۴۸)

ہے موج صد ''بہاراں'' پیمانۂ اثر[۴۴] میں
گلکاریِ روشؔ[۴۵] ہے مشرق کے بام و در میں
مزدور کا جہاں ہے، احسانؔ[۴۶] کی نظر میں
افسانۂ وطن ہے ساغرؔ[۴۷] کی چشمِ تر میں

مفتوںؔ[۴۸] کی ہر نظر ہے نشتر زنِ ریاست
ہر سانس ہے حسنؔ[۴۹] کی گہوارۂ نظامت

(۴۹)

اب تک لئے ہوئے ہے کیفِ مئے شبانہ
سرمستیٔ جگرؔ[۵۰] کا اندازِ والہانہ
وحشیؔ[۵۱] کی ہر غزل کا ہے رنگ عارفانہ
مُلّاؔ[۵۲] کی شاعری میں ہر لفظ تازیانہ

ہم کیا بیاں کریں گے توصیف اس زباں کی
کیفیؔ[۵۳] سے کوئی پوچھے تعریف اس زباں کی

(۵۰)

مانا بدل گیا ہے انداز آبِ سخن کا
مانا کہ اُٹھ چکا ہے تابوت علم وفن کا
مانا کہ اب نہیں ہے وہ رنگ انجمن[۵۴] کا
تقسیم ہوگیا ہے دل مادرِ وطن کا

سازش ہے اہلِ زر کی اُجڑا سہاگ اس کا
اک شعلۂ فغاں ہے جاں سوز راگ اس کا

(۵۱)

مستقبلِ وطن سے واقف مگر ہمیں ہیں
اس بحرِ زندگی کے لعل و گہر ہمیں ہیں
ذرّات خاکِ دل کے شمس و قمر ہمیں ہیں
ہم ہیں حریفِ ظلمت، نورِ سحر ہمیں ہیں

ہم پاسبانِ اُردو، ہیں پاسباں وطن کے
ہم رازدانِ اُردو، ہیں رازداں وطن کے

(۵۲)

منزل اگر وطن ہے تو کارواں ہے اُردو
یہ شاخِ گل اگر ہے تو آشیاں ہے اُردو
یہ ہے اگر سفینہ تو بادباں ہے اُردو
ہے آسماں اگر یہ تو کہکشاں ہے اُردو

تحریک حفظِ اُردو، تحریکِ علم و فن ہے
تحریک دستخط کی، تحریکِ انجمن ہے

(۵۳)

ذوقِ حیات[۵۵] سے ہے اس انجمن کی زینت
ذاکر[۵۶] کے خونِ دل سے ہے اس چمن کی زینت
موجِ روانِ اُردو، گنگ و جمن کی زینت
تزئین لالہ و گل، سرو سمن کی زینت

احساس میں کشنؔ[۵۷] کے، نغمہ طراز اُردو
بزمِ سرورؔ[۵۸] میں ہے محفل کا ساز اُردو

(۵۴)

حسنِ تضاد اس کا مبہم بھی مستند بھی
وارفتۂ جنوں بھی پابستہ خرد بھی
آغوشِ مادری بھی، گہوارۂ لحد بھی
سجدہ گہِ ازل بھی، جلوہ گہِ ابد بھی

روحِ صنم کدہ بھی، جانِ حرم بھی اُردو
سوزِ عرب بھی اُردو، سازِ عجم بھی اُردو

(۵۵)

ہندوستاں کے دل کا جذبِ نہاں ہے اُردو
اقوامِ ایشیا کا، عزمِ جواں ہے اُردو
مشرق کے ارتقا کا، حسنِ بیاں ہے اُردو
مغرب کے گلستاں کا، سروِ رواں ہے اُردو

برہا کی آگ ہے یہ، ساون کی یہ جھڑی ہے
اشکوں کا ہار ہے یہ، موتی کی یہ لڑی ہے

(۵۶)

اوجِ ہمالیہ کا، خطِ جلیل اُردو
گنگا کی وادیوں کا، نقشِ جمیل اُردو
شانِ فرات اُردو، تقدیسِ نیل اُردو
ہر منزلِ وفا کا، ہے سنگِ میل اُردو

دجلہ کا حُسن اُردو، جمنا کا روپ اُردو
گرما کا ابرِ نیساں، سرما کی دھوپ اُردو

(۵۷)

ڈوبی ہے پریم[۵۹] رس میں اب داستانِ اُردو
بنسی ہے کرشن[۶۰] لے کی اب ترجمان اُردو
ہمّت نہ ہار جانا ، اے رہروانِ اُردو
ہے اپنی دسترس میں اب آسمانِ اُردو

تحریک اب ہماری، اوجِ شباب پر ہے
آگے قدم بڑھاؤ، منزل قریب تر ہے

(۵۸)

پروانے اس کے ہم ہیں، یہ شمعِ انجمن ہے
ہم ہیں بہار اس کی، یہ نکہتِ چمن ہے
ہم ہیں سُرور اس کا، یہ بادۂ سخن ہے
یہ سومناتِ دل ہے، یہ کعبۂ وطن ہے

مٹنے نہ دیں گے ہرگز نام و نشانِ اُردو
بڑھتا رہے گا یوں ہی اب کاروانِ اُردو

(۵۹)

بزدل نہیں کہ ڈر سے میدان چھوڑ دیں گے
دیوِ ستم کا پنجہ، اک پل میں موڑ دیں گے
نفرت کا ہر شکنجہ، ہم بڑھ کے توڑ دیں گے
ٹوٹے ہوئے دلوں کو، الفت سے جوڑ دیں گے

اُردو ہمارا حق ہے، ثابت یہ ہم کریں گے
اس کے لئے جئیں گے، اس کے لئے مریں گے

حواشی

۱۔ آریائی تہذیب کا وہ دور جب سنسکرت زبان کی ادبی عظمتیں طبقاتی تقسیم سے دور ہو چکی تھیں اور بول چال کی مروّجہ زبانوں میں کوئی زبان بھی ایسی نہ تھی جسے ادبی زبان کا درجہ دیا جا سکتا۔

۲۔ رام چندر جی، کرشن جی، گوتم بدھ اور مہاویر سوامی کی مذہبی تحریکیں اور اس کے بعد مصلحین کا دور جس میں عوام کی زبان میں اُپدیش کی فکر شروع ہوئی اور نئے نئے اسلوب فکر ایجاد ہوئے۔

۳۔ شیخ فرید الدین گنج شکر متوفی ۱۲۶۷ء۔

۴۔ مسعود سعد سلمانؔ فارسی کا مشہور شاعر جو لاہور میں پیدا ہوا اور تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ اس نے یہاں کی زبان میں بھی ایک دیوان لکھا تھا۔

۵۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کے والد جو شاہ راجو کے لقب سے مشہور ہیں۔

۶۔ حضرت زین الدین خلد آبادی متوفی ۷۷۱ھ۔

۷۔ خواجہ چراغ دہلوی متوفی ۱۳۵۶ء۔

۸۔ شاہ میران جی شمس العشاق بیجاپوری متوفی ۱۴۵۶ء۔
۹۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز متوفی ۱۴۲۱ء۔
۱۰۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفی ۹۴۵ء۔
۱۱۔ مخدوم بہاء الدین برناوی۔
۱۲۔ شیخ باجن متوفی ۹۱۲ء۔
۱۳۔ شاہ امین الدین اعلیٰ بیجاپوری متوفی ۱۰۸۶ھ۔
۱۴۔ سعدیؔ دکن۔ اردو غزل کے پیشرو۔
۱۵۔ شاہ برہان الدین جانم دکنی متوفی ۱۵۸۲ء۔
۱۶۔ دکن دور کا ایک بلند پایہ ہندو شاعر۔
۱۷۔ قطب شاہی دور۔
۱۸۔ ملا وجہیؔ مصنّف ''سب رس''۔
۱۹۔ قطب شاہی دور کے مشہور شاعر۔
۲۰۔ قطب شاہی سلاطین کے دور میں شعر و شاعری کی ترقی ہوئی۔
سلطان محمد قلی قطبؔ شاہ پہلا اردو کا صاحبِ دیوان شاعر تھا۔
۲۱۔ قطب شاہی دور کے شاعر۔
۲۲۔ قطب شاہی دور کے شاعر۔
۲۳۔ قطب شاہی دور کے شاعر۔
۲۴۔ مثنوی علی نامہ کے مصنف۔
۲۵۔ میرن جی خدانماؔ متوفی ۱۰۷۰ھ۔

۲۶۔ ہاشمیؔ عادل شاہی دور کے نابینا شاعر تھے جو بیجاپور میں مقیم تھے۔
۲۷۔ علی عادلؔ شاہ کا ملک الشعرا نصرتی۔
۲۸۔ گلرخؔ سکندر لودھی کا تخلّص تھا۔
۲۹۔ تلسیؔ داس جو باندہ کے باشندے تھے رامائن کا بھاشا میں ترجمہ کیا۔
۳۰۔ سورداسؔ جی کرشن جی کے ذکر سے مقبول ہوئے۔
۳۱۔ عبدالرحیم خان خاناںؔ ہندی میں ان کا تخلّص رحیمن ہے۔
۳۲۔ ملک محمدؔ جائسی سولہویں صدی کے مشہور شاعر مصنفِ پدماوت۔
۳۳۔ پندرہویں صدی میں گرونانک صاحب کی ''گرنتھ صاحب'' سکھوں کی مذہبی اور مقدّس کتاب ایک نئے در کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔
۳۴۔ دہلی اور دکن کے مشہور شاعروں کے نام۔
۳۵۔ منشی دیانارائن نگم رسالہ زمانہ کانپور کے ایڈیٹر۔
۳۶۔ سرسید احمد خان۔
۳۷۔ عبدالحمید عدمؔ۔
۳۸۔ سجاد حیدر یلدرم۔
۳۹۔ اقبال سہیلؔ۔
۴۰۔ چودھری محمد علی ردولوی مصنف کشکول۔
۴۱۔ آرزوؔ لکھنوی۔

۴۲۔ نیازؔ فتح پوری۔
۴۳۔ حبیبؔ احمد صدیقی۔
۴۴۔ جعفر علی خاں اثرؔ مصنف ''بہاراں''۔
۴۵۔ روشنؔ صدیقی۔
۴۶۔ احسانؔ دانش۔
۴۷۔ ساغر نظامیؔ۔
۴۸۔ دیوان سنگھ مفتونؔ
۴۹۔ خواجہ حسن نظامی۔
۵۰۔ جگرؔ مرادآبادی۔
۵۱۔ کرشن سہائے وحشیؔ کانپوری۔
۵۲۔ پنڈت آنند نرائن ملاؔ۔
۵۳۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفیؔ۔
۵۴۔ انجمن ترقّی اُردو۔
۵۵۔ حیاتؔ اللہ انصاری۔
۵۶۔ ڈاکٹر ذاکر حسین۔
۵۷۔ کشن پرشاد کولؔ۔
۵۸۔ آل احمدؔ سرور۔
۵۹۔ پریم چند۔
۶۰۔ کرشن چندر۔

نظم اُردو ناطقؔ لکھنوی

شاعر نام	:	سید ابو العلا سعید احمد
تخلّص	:	ناطقؔ
ادبی نام	:	ناطقؔ لکھنوی
تاریخ پیدائش	:	1878ء
مقام پیدائش	:	لکھنو
والد	:	سید محمد عبد البصیر زیدی واسطی بلگرامی
جد	:	نواب امیر الحسام (بغداد سے ہندوستان آئے اور ضلع بارہ بنکی میں سکونت پذیر ہوئے)۔
تعلیم و تربیت	:	ا۔ ادب کی تعلیم مولانا عبد الباقی مہاجر مکّی سے حاصل کی۔ ب۔ فلسفہ اور منطق سید ظہور الحسن مجتہد العصر سے سیکھا۔ ج۔ نحو مولانا اکرم اور فقہ مولانا فتح محمد سے پڑھی۔ د۔ طب کی تعلیم حکیم عبد المجید خان سے حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ

ہوئے۔ آپ علوم ہیئت اور نجوم و جفر میں مہارت رکھتے تھے۔

شغل : ا۔ ابتدائی دور میں تصنیف و تالیف کو ذریعۂ معاش بنایا۔

ب۔ کئی سال تک اخبار نور الانوار کانپور اور اخبار ملک و ملّت حیدر آباد کے ایڈیٹر رہے۔

ج۔ باقی تمام عمر طبابت کرتے رہے۔

شاعری : ا۔ پہلے فارسی اور عربی میں شاعری کی لیکن بعد میں اُردو شعر کہنے لگے۔

ب۔ بچپن سے شعر کہتے تھے۔

تصانیف : ا۔ خوشنویسی میں کمال اور خط طغرا میں ملکہ رکھتے تھے۔

علم الانساب میں ایک شجرہ ترتیب دیا جس میں حضرت آدمؑ سے ان کے دور کے مشاہیر کے نام ترتیب سے لکھے۔

ب۔ بستان معرفت، اسرار حقیقت، افسانہ شہر آشوب لندن اور تاریخ جنگ ہفت روزہ آپ کی مطبوعہ تصانیف ہیں۔

نظم اُردو

آج سے تقریباً اَسّی سال قبل حکیم سید ابوالعلا سعید احمد معروف بہ ناطق لکھنوی نے اُردو ادب میں مسدّس کی ہیئت میں ایک بے مثال عمدہ نظم لکھی جو ستاون (57) بند پر مشتمل ہے اور جس کو نظم اُردو کہا گیا۔ یہ نظم اُردو ادب کی منظوم تاریخ ہے۔ یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ اس نظم سے پرستاران اُردو بے خبر تھے چنانچہ دس سال قبل راقم نے اس کے منتخب بند مختلف رسالوں، جریدوں اور اپنے مقالات کے مجموعہ ''ذکر دُرباران'' میں شائع کئے جس کی پذیرائی نے پوری نظم کو ایک کتابی شکل میں پیش کرنے پر وادار کیا۔ اس شاہکار تاریخی اور ادبی نظم کی تشریح کے لئے لازم حوالے بھی حاشیہ میں پیش کئے گئے ہیں۔ مشاہیر شعر و ادب جو ناطق لکھنوی کے ہم عصر تھے جن میں جناب عبدالماجد دریابادی، جناب ذاکر حسین خان، جعفر علی خاں اثرؔ، مولانا عبداللہ عمادی، مولانا کشفی اور پروفیسر حامد اللہ افسر میرٹھی قابل ذکر ہیں۔ اس نظم اُردو پر تبصرے کئے ہیں جن کے اقتباسات یہاں پیش کئے

جاتے ہیں تا کہ مختصر مگر جامع اس نظم کا تعارف ہو سکے اگر چہ اس نظم کے ستاون ۵۷ بند خود محتاج تفسیر و تبصرہ نہیں لیکن مختلف زاویوں سے ایک عمدہ شاہکار کے وہ گوشے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں جو بعض افراد سے مخفی رہ گئے ہوں اور ہر شخص اپنی فکر و استطاعت ذہنی سے حتی المقدر مستفید ہو سکے۔

علاّمہ عبدالماجد دریابادی مقدّمہ نظم میں لکھتے ہیں۔

مشک کے تعارف کے لئے خود عطّار کا زبان کھولنا خوشبوئے مشک کی توہین کرنا ہے۔ دن کے پھیلے ہوئے اُجالے میں یہ کہنا کہ دیکھو آفتاب کیسا روشن ہے یہ تعارف آفتاب کا نہ ہوا۔ یہ در پردہ اپنی تعریف کرنی ہوئی کہ ہم چشم روشن و آفتاب شناس رکھتے ہیں۔ اچھا شعر تو وہ ہے جو آفتاب کی روشنی کی طرح خود اپنے کو منوالے۔

مسدّس ناطقؔ کی بسم اللہ سنئے۔

گفتگو ناطقؔ یہ ہے آغازِ اُردو کب ہوا
جستجو یہ ہے کہ ظاہر رازِ اُردو کب ہوا

زبان کا مسئلہ اور اس کا آغاز گفتگو سے سبحان اللہ اور پھر معاً ''ناطق'' مومن خان مومنؔ کے مقطعوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ گفتگو کے معنی محاورہ میں محض بات چیت کے نہیں ''سوال'' یا مسئلہ کے

بھی ہیں اور دوسرے مصرعہ میں ٹھیک اُسی کے وزن و مفہوم کا لفظ ''جستجو'' مناسبت لفظی کو تو لکھنو کے چند قافیہ بندوں نے بدنام کر دیا ورنہ اگر اپنے قرینے سے رہے تو اس سے بڑھ کر اور ہے کونسی صنعت؟

انجمن میں نغمہ آرا سازِ اُردو کب ہوا
سازِ بزمِ ہند ہم آوازِ اُردو کب ہوا

وہی توازن جو پہلے شعر میں تھا اس دوسرے شعر میں بھی موجود۔

ایک ہی دھن سنتے سنتے ہو گئے ہیں کان سُن
دعویٔ ایجادِ اُردو کی لگی ہے سب کو دُھن

کتنی سچی ہے تاریخ، شاعری کی شاعری

اب آگے کہنا یہ ہے کہ جسے دیکھئے ایجاد اُردو کا سہرا اپنے ہی سر باندھنا چاہتا ہے۔

دہلوی بازارِ اُردو میں خریدارِ زباں
دکھنئ دربارِ اُردو میں گُہر بارِ زباں

عہدِ محمودی سے ہے پنجاب سرکارِ زباں
بودھ تک پہونچے بہاری لے کے زنّارِ زباں

آگے فیصلۂ ناطقؔ ملاحظہ ہو۔

اک مورخ کیا کہے کب اور کہاں پیدا ہوئی
ملک میں تاریخ سے پہلے زباں پیدا ہوئی

پوچھنا تاریخ سے پیدائشِ اُردو کا حال
کمسنوں سے ہے بزرگوں کی ولادت کا سوال

علّامہ عبد اللہ عمادی سابق رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن لکھتے ہیں:

''مولانا ناطقؔ لکھنوی اپنی منظوم تاریخ اُردو میں جن سرسری اور بکھری ہوئی کہانیوں سے ترتیب تاریخ میں کامیاب ہوئے ہیں نطق انسانی کی یہ عزیز الوجود جولانی ہے متداولات میں مولانا کا تبحر کلام میں کمال ادب میں عظمت یہ سب ایسے فضل وشرف ہیں جن کی جامعیت نے اس فرد فرید کو یگانۂ زمانہ بنا رکھا ہے۔
نثر اُردو کو حسرت رہ گئی کہ نظم کو اُس کی زبان کی تاریخ کا شرف حاصل ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخ نگاری کے لئے نثر کو خواہ کتنی ہی اہمیت کیوں نہ دی جائے تاہم اُردو کی تاریخ میں نظم کو نثر پر ترجیحی تقدم ہے کہ

اس زبان میں پہلے نظم پھر نثر کی نوبت آئی۔''

سابق صدر جمہوریہ ہند شیخ الجامعہ ملّیہ دہلی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت ناطقؔ لکھنوی نے کمال کیا کہ اُردو زبان کی پونے سات سو سال کی تاریخ کو ستاونے ۵۷ بند کے ایک مسدّس میں نظم کر دیا۔ دریا کو کوزے میں بند کرنا اسی کو کہتے ہیں اور یہ کام ناطقؔ صاحب کا سا قادر الکلام اُستاد ہی کر سکتا ہے۔''

سابق پروفیسر رضا علی صاحب وحشتؔ۔ اسلامیہ کالج کلکتہ کہتے ہیں:

''مسدّس متضمن تاریخ اُردو منظوم ایک عجیب و غریب نظم ہے۔ کیا بہ امتیاز تحقیق اور کیا باعتبار بیاں حضرت ناطقؔ نہ فقط ایک گراں پایہ شاعر و ادیب ہیں، بلکہ ایک عدیم المثال طبیب بھی ہیں۔ اور اب اس مسدّس کو دیکھ کر یہ بھی ماننا پڑا کہ وہ ایک مستند محقق بھی ہیں۔ یہ مختصر مسدّس معلومات کا ایک خزینۂ مفید ہے۔ حواشی نے اس کو اور چار چاند لگا دیئے ہیں اور یہ مسدّس باعتبار فن، باعتبار حُسن بیان و باعتبار لطفِ

زبان، نوادر روزگار سے ہے۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ حضرت ناطقؔ ہی سے یہ کام ہوسکتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اس مسدّس کی قدر، ارباب علم وفن کریں گے اور مجھے قوی امید ہے کہ تمام یونیورسٹیاں جہاں جہاں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہے، اس دلکش مسدّس کو داخلِ نصاب کریں گی۔''

مستند نقاد مرزا جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی سابق وزیر مال کشمیر لکھتے ہیں:

''ناطقؔ کا جدید ترین ادبی کارنامہ ''منظوم تاریخ اُردو'' ہے۔ یہ صرف تاریخ نہیں، بلکہ فلسفۂ تاریخ ہے۔ ستاون (57) بندوں میں اُردو نظم اور نثر کے مکمل سوانح منضبط ہیں۔ لطف یہ ہے کہ نظم خشک اور پھیکی نہیں بلکہ شاعرانہ لطافتوں اور رنگینیوں سے مالامال ہے۔ ایک ایک بند تاریخی اور لسانی نکات اور معلومات کا گلدستہ ہے پوری نظم کا تجزیہ اس کے مطالب کی ترتیب، واقعات کا سلسلہ وار تدریجی ارتقا ان امور کی سرسری وضاحت کے لئے بھی ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔''

سابق پروفیسر حامد اللہ افسر جوبلی کالج لکھنو لکھتے ہیں:

''نظم اردو'' لفظوں کے ایک جادوگر کا کارنامہ ہے، جس نے فلسفۂ تاریخ کے خشک اور روکھے پھیکے مسائل کو تخیّل کی رنگینیوں سے مالا مال کر کے دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ حضرت ناطقؔ لکھنوی ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ متبحّر عالم ہیں مستند محقق ہیں اور ان کے یہ تمام کمالات مجموعی طور پر ''نظم اردو'' میں جلوہ افگن ہیں زبان پر ناطق صاحب کو حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ اندازِ بیان اس قدر دلکش ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے، روانی کا یہ عالم ہے کہ ساری نظم سانچے میں ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بیان میں سادگی کا یہ عالم ہے کہ اکثر بند سہل ممتنع کا نہایت مکمل نمونہ بن گئے ہیں۔''

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب جن کی نثر نگاری کا ایک عالم قائل ہے اور جن کی نثر نگاری سے متاثر ہو کر علاّمہ اقبالؔ نے کہا تھا ''اگر میں حسن نظامی کی طرح نثر لکھ سکتا تو کبھی اپنے خیالات کے اظہار کے لئے نظم کا سہارا نہ لیتا''۔ خواجہ صاحب نے اُردو نظم پر بسیط

ریویو کیا ہے جس کے چند اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

''اللہ، احمدؐ، آدمی، اُردو، آسائش، آرائش وغیرہ جو الفاظ الف سے شروع ہوتے ہیں، زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ اللہ نے زندگی پیدا کی تھی۔ احمدؐ نے زندگی کو سنوارا تھا، آدمی زندگی کے ظہور کا ذریعہ تھا، اُردو دُنیا کی مختلف بولیوں کی ترکیب سے بنی تھی۔ آسائش زندگی کا مقصد تھا، آرائش زندگی کا آئینہ تھا۔

کوئی کہے انانیت اور الم جیسے بُرے الفاظ بھی الف سے شروع ہوتے ہیں؟ جواب دوں گا وہ بھی زندگی کا ایک حصہ ہیں۔ پس ابو العلا کا تخلّص ناطقؔ ہے عربی زبان میں بولنے والے کو ناطقؔ کہتے ہیں انھوں نے ایسے زمانے میں اُردو کے عروج ترقی وابتداء وانتہا کی تاریخ بیان کرنے کے لئے ایک کتاب لکھی جبکہ ملک ہند آزادی حاصل کرنے کی جدو جہد میں مصروف تھا۔ آزادی بھی ''اماں اُردو'' کے قدموں کی قسم، الف سے شروع ہوتی ہے اور دُنیا کی ہر زندگی کو پیاری ہے''۔

نظمِ اُردو

(۱)

گفتگو ناطق یہ ہے آغازِ اُردو کب ہوا
جستجو یہ ہے کہ ظاہر رازِ اُردو کب ہوا
انجمن میں نغمہ آرا سازِ اُردو کب ہوا
سازِ بزمِ ہند ہم آوازِ اُردو کب ہوا

ایک ہی دُھن سنتے سنتے ہو گئے ہیں کان سُن
دعویِ ایجادِ اُردو کی لگی ہے سب کو دُھن

(۲)

دہلوی بازارِ اُردو میں خریدارِ زباں
عہدِ محمودی سے ہے پنجاب[۱] سرکارِ زباں
بودھ تک پہنچے بہاری[۲] لے کے زنّارِ زباں
موجدوں میں ہے دکن بھی اب تو حقدارِ زباں

اک مورخ کیا کہے کب اور کہاں پیدا ہوئی
ملک میں تاریخ سے پہلے زباں پیدا ہوئی

(۳)

پوچھنا تاریخ سے پیدائشِ اُردو کا حال
کمسنوں سے ہے بزرگوں کی ولادت کا سوال
جس زباں کی آفرینش کا تجھے آئے خیال
اس کے اسباب و علل اور فلسفے کو دیکھ بھال

ملک میں اُردو زباں افواج کی بھرتی سنہ تھی
یک بیک الفاظ کی بارش ہوا کرتی سنہ تھی

(۴)

ہوگا جن قوموں کی فطرت میں ازل سے اتحاد
جب کبھی وہ اک جگہ ہو جائیں گی آباد و شاد
پس اگر عہدِ تمدن ان کو آ جائے گا یاد
خواہ وہ عجمی ہوں یا ترکی ہوں یا ہندی نژاد

دونوں قومیں ہم سخن ہم داستاں ہو جائیں گی
مل کے دونوں کی زبانیں یک زباں ہو جائیں گی

(۵)

ایشیا میں تھا قدامت سے تمدن کا اثر
کھیل سیاحوں کا بحر و بر میں تھا سیر و سفر
بیچتے تھے جا کے تاجر عطر، لوبان اور اگر
اور لے جاتے تھے پنڈت ہند سے علم و ہنر
قبل ازیں روحِ مسیحا جب کہ تھی بے آب و گل
ہند کا دل زندہ تھا زندہ بھی کیسا زندہ دل

(۶)

ہند تیرہ سو برس سے مسلموں کا ہے مقام
واعظوں سوداگروں اور صوفیوں کا ہے قیام
اہلِ ہند اہلِ عرب ہیں سب کے سب ابنائے سام[۳]
ہم نسب ہم جنس ہندو کیا کبھی ہوتے نہ رام
کیوں نہ پھر کھلتی زباں جب دل کے غنچے کھل گئے
تھے ہزاروں سال کے بچھڑے ہوئے گھل مل گئے

(۷)

میل میں صبح عرب سے کب تھی شامِ ہند کم
مختلف ہونے پہ بھی ملتے ہیں زلف و رُخ بہم
دلربائی کو بتانِ[۴] ہند پہنچے تا حرم
ہوگئے تھے ایک ملکر کعبہ و بیت الصّنم
منسلک آپس میں تھے شیخ و برہمن اس طرح
ہم بغل ہمدوش ہو چولی سے دامن جس طرح

(۸)

جابجا یکجا کئی قومیں کئی ذاتیں ہوئیں
دیس میں پردیس کی مقبول سوغاتیں ہوئیں
صورت و معنی کی آپس میں ملاقاتیں ہوئیں
پہلے مستعمل ہوئے اَلفاظ پھر باتیں ہوئیں
فارسی عربی کے اسما ہند میں داخل ہوئے
اور افعال و مصادر ہند کے شامل ہوئے

(۹)

بسکہ قصرِ ہند کا پہلا ہی دَر پنجاب تھا
اس لئے اُردو کا اوّل مستقر پنجاب تھا
نقطۂ مردم پے اہلِ نظر پنجاب تھا
دائرہ تھا دور تک مرکز مگر پنجاب تھا

جیسے خط رُخ کا بڑھے اَبرو کی جدول چھوڑ کر
بڑھ چلا یوں نقشِ ثانی نقشِ اوّل چھوڑ کر

(۱۰)

تخم جو الفاظ کے بوئے گئے پنجاب میں
ہر طرف بہتے پھرے وہ جنگ کے سیلاب میں
تھے قلم اس کے بھی تلواروں کے ساتھ اسباب میں
لائے قطبؒ الدین اس کو دہلیِ شاداب میں

کون ہر صوبے میں دہلی سے یہ دفتر لے گیا
ہر سپاہی اپنے ساتھ اُردو کا لشکر لے گیا

(۱۱)

اس طرح کام اس کا چلتے چلتے ہر سُو چل گیا
نقش یوں بیٹھا اَودھ میں نامِ اُردو چل گیا
تھے بہاری نرم دل خیر ان پہ قابو چل گیا
حد یہ ہے بنگال پر بھی اِس کا جادو چل گیا

آج اگر آئی اِدھر تو کل اُدھر چلتی ہوئی
اُف یہ اتنی سی زباں اور اس قدر چلتی ہوئی

(۱۲)

ہے مگر تاثیر و شیرینی جو اس کی ذات میں
علم کے صدقے میں ہے یا فقر کی خیرات میں
منہ لگایا پیشواؤں نے اِسے ہر بات میں
صوفیوں نے دی جگہ آخر کو ملفوظات میں

ان غریبوں سے ملی اکثر امیروں کو مدد
اُردوئے شاہی کو پہنچائی فقیروں نے رسد

(۱۳)

ہند کے پودوں میں کچھ ایران کے پیوند تھے
جوڑ اِن دونوں میں گویا نیشکر کے بند تھے
مختلف سب مذہب و تہذیب میں ہر چند تھے
پھر بھی رسم و راہِ اُلفت کے تو سب پابند تھے

صورت شیر و شکر باہم جو تھے آمیختہ
مدھ بھرے ہونٹوں سے رس ٹپکا تو وہ تھا ریختہ[۶]

(۱۴)

بات جو تھی بند بند اب دوبدو ہونے لگی
بے تکلّف بے محابا گفتگو ہونے لگی
بات میں اک بات ہو یہ آرزو ہونے لگی
قید آزادی میں ہو یہ جستجو ہونے لگی

نثر ہی کے سلسلے میں نظم کی کڑیاں بنیں
اس قدر بکھرے یہ موتی خود بخود لڑیاں بنیں

(۱۵)

اہلِ جوہر گوندھ کر اپنے نفس کے تار میں
لے گئے بھر بھر کے موتی دامنِ گفتار میں
دیکھ کر حضرت فریدالدین کے دربار میں
خسرؔو ملکِ سخن نے دی جگہ اشعار میں

کیوں نہ کہتے آج جب روزِ ازل کہتے رہے
لوگ کہتے ہیں کبیرؔ اس میں غزل کہتے رہے

(۱۶)

سنتے ہیں خسرؔو سے قبل اک شاعرِ محمودؔ تھا
کام بھی اس کا مُبارک ــــ نام بھی مسعودؔ تھا
اس کا اک دیوان اُس ہندی میں بھی موجود تھا
جس کے ہندی شعر سے اُردو سخن مقصود تھا

اگلے لوگوں پر اگر پچھلوں کو شک رہ جائے گا
قیدِ گم نامی میں اُن کا نام تک رہ جائے گا

(۱۷)

کاملوں کے فیض سے اُردو بھی اب کامل ہوئی
خانقہ میں رہ کے شاہی قصر کے قابل ہوئی
مسندِ سلطان بابر کی سند حاصل ہوئی
نظم میں شامل ہوئی دیوان میں داخل ہوئی

بادشہ ہوتے رعایا کے نہ کب تک ہم سخن
کتنی مدت سے چلا آتا ہے اُردو کا چلن

(۱۸)

دستِ تغلق[۷] سے جو پلٹا پہلوئے چرخِ کہن
بن گیا قطبِ شمالی دفعتاً قطبِ دکن
کارواں در کارواں اہلِ ادب اہلِ سخن
بڑھ گئی اُردو سفر میں رہ گیا پیچھے وطن

بہمنی[۸] و عادلی[۹] و قطبیہ[۱۰] تھے میزباں
بن گئی خود میزباں یہ رہ گئی مہماں جہاں

(۱۹)

قدرِ شاہانہ سے سرکاری ہوئی اُردو زباں
حکمِ سرکاری سے درباری ہوئی اُردو زباں
دونوں سرکاروں میں جب جاری ہوئی اُردو زباں
ملک بھر میں جاری و ساری ہوئی اُردو زباں

جو سخنور اس زمانے میں رہے شہرت نصیب
ان کے ناموں سے ہے آج اس نظم کو زینت نصیب

(۲۰)

وجہیؔ[۱۱] احمدؔ امیرؔ شوقیؔ مقیمیؔ نصرتیؔ
دولتؔ و خوشنودؔ و غواصیؔ ایاغیؔ رستمیؔ
نوریؔ و ابنِ نشاطیؔ و حدیؔ طبعیؔ نورسیؔ
سیوکؔ و فائزؔ لطیفؔ اشرفؔ ضعیفیؔ عشرتیؔ

ذوقیؔ و بحریؔ قیاسیؔ مومنؔ و ہاشمؔ علیؔ
لطفیؔ و مرزاؔ سراجؔ آزادؔ داؤدؔ و ولیؔ[۱۲]

(۲۱)

مولدِ اُردو تھا پنجاب، آگرہ مسکن بنا
پرورش دہلی میں پائی اور اودھ مامن بنا
لکھنؤ تفریح و تسکین کے لئے گلشن بنا
مال و زر گجرات میں پایا دکن مخزن بنا

سب دفینہ دفن اب مدفن کے تہ خانے میں ہے
آج تک وہ دولت آباد[۱۳] اپنے ویرانے میں ہے

(۲۲)

اس کے مسکن بھی کئی تھے نام بھی اس کے کئی
ہندی و پنجابی و ہندوستانی ہندوی
اور گجراتی زبان یا دکھنی یا دہلوی
جا کے جس صوبے میں ٹھہری اس کی سی کہنے لگی

بولیاں سب کی جداگانہ تھیں پہلے اب ہیں ایک
شرقی و غربی، شمالی و جنوبی سب ہیں ایک

(۲۳)

جب شبستانِ دکن میں بڑھ چلی شمعِ زباں
اور پہنچی خاتمے پر مثنوی کی داستاں
مثنوی پر مرثیہ پڑھنے لگے اب نوحہ خواں
سوز نے پیدا کیا جذبات سے سازِ فغاں

ضبط رہتا کب تک آخر اور کیوں رہنے لگا
حُسن اپنے عشق میں خود ہی غزل کہنے لگا

(۲۴)

حُسن نے جرأت دلائی عشق کے دفتر کھلے
عشق نے کھولی زباں تو حسن کے جوہر کھلے
منظرِ اُردو پہ جب نظّاروں کے زیور کھلے
پھر دلی جذبات کے بھی میکدے کے در کھلے

ساغرِ اُردو میں اب خطِّ جلی پیدا ہوا
میکشانِ ریختہ میں ایک ولی[۱۳] پیدا ہوا

(۲۵)

ہاں ولیؔ کے سر پہ سایہ تھا علیؑ کے نور کا
رشتۂ الہام تھا جبریلؑ سے بھی دور کا
ظرف موسیٰ کا دیا تھا حق نے دل منصورؒ کا
اور ادھر معمورۂ دلّی پہ عالم طور کا

ایسی معراج ایسے اعجاز ایسی امّت پا گئے
آ کے دہلی میں ولیؔ گویا نبوّت پا گئے

(۲۶)

اہلِ دہلی کو ولیؔ سے کچھ ملا حُسنِ بیاں
اہلِ دہلی سے ولیؔ کو کچھ ہوا فیضِ زباں
شاہ سعد اللہ گلشنؔ نے کئے نکتے بیاں
ہم سخن تھے دہلوی و اکبرآبادی یہاں

ناجیؔ[۱۴] و مظہرؒ فقیرؔ، انجامؔ و یکرنگؔ آبروؔ
حاتمؔ و عزلتؔ فغانؔ مضمونؔ و عاجزؔ آرزوؔ

(۲۷)

اَوّلاً اُردو تھی گویا ایک طفلِ شیر خوار
جس کو گستاخی کی پروا تھی نہ عریانی سے عار
اپنے دامن میں گلوں کے ساتھ بھر لیتی تھی خار
کہتی تھی تلوار کو ''تروار'' اور باہر ''کو بَھار''

اس کے بچپن کی وہ باتیں بے محابا بے خلش
لا اُبالی وہ ادائیں اور اداؤں میں کشش

(۲۸)

ہوش پھر اس نے سنبھالا نوجوانی آ گئی
شوخی و زندہ دلی کی زندگانی آ گئی
جو زباں ہکلی تھی اس میں اب روانی آ گئی
اور تتلاتی ہوئی کو خوش بیانی آ گئی

جہل کا جو عیب تھا وہ دور اب ہونے لگا
علم اور اخلاق کا پاسِ ادب ہونے لگا

(۲۹)

حُسن پر پڑنے لگی اس کی نگاہِ انتخاب
عشق کے جذبات کا طالع ہوا اک آفتاب
شرم کی ڈالی ہوئی شوخی نے اُٹھوادی نقاب
قید کی طالب ہوئی آزادیٔ جوشِ شباب

ولولے سوداؔ کے تھے اب سلسلے زنجیر کے
چارۂ وحشت کو تھے رگ رگ میں نشتر میرؔ کے

(۳۰)

مثنوی کہہ دی حسنؔ[۱۵] نے بے نظیر و بے بدل
دردؔ نے موزوں کئے پُر درد نالے برمحل
ذوقؔ کا شوقِ زباں دانی ہوا ضرب المثل
کعبۂ معنی بنا مومنؔ کا ہر بیت الغزل

پھیر کر غالبؔ نے رُخ سجّادۂ تخئیل کا
اک نیا میخانہ کھولا بادۂ تخئیل کا

(۳۱)

ذکر کردوں اور چند اسلافِ دہلی کا یہیں
تھی زمینِ شعر جن کی رُوکشِ چرخِ بریں
[۱۶] قدرتؔ و مائلؔ بیانؔ بیدارؔ اثرؔ تسکینؔ حزیںؔ
شیفتہؔ، ممنونؔ نصیرؔ و سالکؔ و تاباںؔ یقیںؔ

آہ وہ شاہِ ظفرؔ وہ تاجدارِ آخری
وہ ظہیرؔ و داغؔ جن سے تھی بہارِ آخری

(۳۲)

دے گئے تھے کیا سبق یہ شاعرانِ ماسبق
سب ادیبوں پر جو روشن کر گئے چودہ طبق
لیکن افسوس اب جو الٹا دورِ گردوں کا ورق
ہوگیا برباد دہلی کا وہ سب نظم و نسق

منتشر اہلِ سخن اہلِ زباں ہونے لگے
طائران خوشنوا بے آشیاں ہونے لگے

(۳۳)

خاک و خوں میں مل گیا اس طرح دہلی کا چمن
رہ گئے گلہائے خلعت پوش بے گور و کفن
شامِ غربت سے بھی اب تاریک تھی صبحِ وطن
شمعِ کشتہ بن کے نکلے بزم آرائے سخن

کر چکا تھا رَد شجاع الدولہ[۷] کی جو آرزو
آہ وہ سوداؔ خود آیا بن بلائے لکھنؤ

(۳۴)

جب یہاں یہ لوگ آئے اور ہی کچھ رنگ تھا
دیکھ کر ہر جوہری ان جوہروں پر دنگ تھا
سادگی سے سنگ جو بے نقش زینت ننگ تھا
صیقل و مینا سے اب خورشید کا ہم سنگ تھا

جو نگیں ترشے ہوئے دہلی میں ضُود دینے لگے
لکھنؤ میں وہ کنول آئے تو لَو دینے لگے

(۳۵)

جس قدر پہلو تھے اس کے سب کے سب روشن ہوئے
رہ گئے تھے رُخ جو تاریکی میں اب روشن ہوئے
خال و خد حُسنِ لطافت کے سب روشن ہوئے
غازۂ زینت سے رُخسارِ ادب روشن ہوئے

خود نمائی کے لئے خودبینیاں پیدا ہوئیں
سادگی جاتی رہی رنگینیاں پیدا ہوئیں

(۳۶)

گو یہاں موجود تھے پہلے سے چند اہلِ کمال
مصحفی کا ذکر ہے مشہور اور انشا کا حال
میر کو بھی کھینچ لایا قدردانی کا خیال
یہ وہی تھے میر جن سے بات کرنا تھی محال

ہر کس و ناکس کی کیا قدرت کہ ہوتا ہم سخن
اپنی اُردو کے تحفظ میں تھے گویا کم سخن

(۳۷)

میرؔ پہ گذرے تھے اتنے حادثاتِ رنج و غم
تھے بجائے رُوح و دم ہر رگ میں اب درد و الم
ہر نظر اک متنِ غم تھی ہر نفس شرحِ ستم
ہر سخن اک نامہ بر تھا دردِ دل کا تازہ دم

رنگِ شوخی لائے وہ کیا شعر کے مضمون میں
جس کا دل ڈوبا ہوا ہو آپ اپنے خون میں

(۳۸)

انتزاعِ ملک پر جن کو ہوا رنج و تعب
اُن کے رنج و غم پہ بیدرد وں کو ہے غیض و غضب
محفلِ ماتم سے جو بیگانہ ہے گلچین طرب
پوچھتا ہی نہیں ہنس کر وہ نالوں کا سبب

یہ وہ سمجھے ہم نشینوں سے جو ہے چھوٹا ہوا
گل ہے کیوں افسردہ اپنی شاخ سے ٹوٹا ہوا

(۳۹)

دل اسی کا جانتا ہے زخم جس کے دل میں ہے
جز تماشا ورنہ کیا بیتابیٔ بسمل میں ہے
کب وہ دیکھے نیند جس کے دیدۂ غافل میں ہے
کیا پریشانی اب اس اجڑی ہوئی محفل میں ہے

آسمانِ کینہ پرور بنگئی تھی ہر زمیں
رہ گئی تھی سایہ گستر اک اَودھ کی سر زمیں

(۴۰)

الغرض اب لکھنؤ کیا تھا ادب کا اک چمن
کھل گیا گویا نیا اک دفترِ شعر و سخن
کیوں نہ کھلتا جمع تھے جب ایسے ایسے اہلِ فن
سوزؔ و انشاؔ، مصحفیؔ و میرؔ و سوداؔ و حسنؔ

ان ادیبوں کا جہاں مسکن رہے مدفن بنے
کیا عجب گر وہ ادب کا مرکز و مخزن بنے

(۴۱)

اہلِ نقد و تبصرہ نے دیکھ کر کھوٹے کھرے
سکّے سلپٹ لے کے دار الضّرب کو واپس کئے
ایسے چند الفاظ تھے معیار سے اُترے ہوئے
جائے ہی اور آئے ہی یا جا پرے اور آورے

اس سے ثابت ہے کہ یہ داخل فصاحت میں نہیں
نج میں مستعمل ہیں تصنیف و اشاعت میں نہیں

(۴۲)

لکھنؤ میں راہ اک نکلی نئی تعلیم کی
مصحفی نے اک نظامِ خاص پر تنظیم کی
ان کے شاگردوں نے جو تنسیخ یا ترمیم کی
ملک کے ہر ناظم و ناثر نے وہ تسلیم کی

صاف ہو کر اَب زباں کے شعلے دلکش ہو گئے
جملہ منسوخات ناسخ نذرِ آتش ہو گئے

(۴۳)

موجد اپنے رنگ کے تھے شاعرانِ بے نظیر
بات میں بیباک جرأت فکر میں آزاد اسیرؔ
بندشِ مضموں میں ناسخؔ اور بنوٹ میں وزیرؔ
عشق مین سرگرم آتشؔ اور جامعیت میں امیرؔ

مرثیہ کے مجتہد مرزا دبیرؔ و میر انیسؔ
اک بلاغت میں لطیف اور اک فصاحت میں نفیس

(۴۴)

تھے روانی کے مُجدّد بحرؔ اور کیفؔ وصباؔ
کیف میں تاثیر میں ہمسر تعشقؔ کا نہ تھا
فرد تھے رنگِ تغزل میں رشیدؔ باصفا
قابلِ ذکر اور بھی استاد ہیں ان کے سوا

[۱۸]رندؔ برقؔ انجمؔ حضورؔ افضلؔ قلقؔ عاشقؔ نسیمؔ
رشکؔ و جاویدؔ و جلالؔ و مظہرؔ و مہرؔ و حکیمؔ

(۴۵)

اور شہروں میں بھی تھے اہلِ سخن شہرت پذیر
کانپوری فرد و انعام اکبر آبادی نظیر
[۱۹]قدر و شاد آسی شہیدی اکبر و محسن صفیر
قائم اسمعیل و حالی و ضیا ، طاہر منیر

نظم ہوں کس طرح موتی اس قدر بکھرے ہوئے
کس سے کہیے لُٹ گئے کتنے گُہر بکھرے ہوئے

(۴۶)

جب ہمارے ہاتھ سے ہندوستاں جاتا رہا
مثلِ سکّوں کے ہمارا ہر نشاں جاتا رہا
جوشِ دل جاتا رہا زورِ بیاں جاتا رہا
کم ہوا عشقِ ادب حُسنِ بیاں جاتا رہا

وہ ستارے کیا چھپے وہ رات ہی جاتی رہی
وہ سخنور کیا گئے وہ بات ہی جاتی رہی

(۴۷)

شاعری کچھ کم نہیں لیکن اثر کچھ بھی نہیں
ہے بظاہر علم باطن میں ہنر کچھ بھی نہیں
زور دار الفاظ ہیں معنی مگر کچھ بھی نہیں
چشمِ تصویر آنکھ ہے ذوقِ نظر کچھ بھی نہیں

ذکر کے قابل نہیں ناواقفوں کے تذکرے
شاعری پر کر رہے ہیں غیر شاعر تبصرے

(۴۸)

نظم تھی جن گیسوؤں کے زیر سایہ سرفراز
نثر کو بھی تھا انہیں کے سلسلہ سے فخر و ناز
لکھ گئے معراجِ[۲۰] عاشق حضرتِ گیسوؒ دراز
کر گئے بندہ نوازی خواجۂ بندہ نوازؒ

وہ رسالے جو نگاہِ خلق سے محجوب ہیں
شیخ گنج العلم عین الدین سے منسوب ہیں

(۴۹)

ہے غرض نشارِ اوّل مستحق تعریف کا
جو مقدم ہو وہی حقدار ہے توصیف کا
جس کے دم سے سلسلہ جاری ہوا تصنیف کا
ترجمے کا، شرح کا، تفسیر کا، تالیف کا

شاہ میراں جی کی سب رس[۲۱] بھی ہے مرغوبِ قلوب
اور نشاط العاشقیں کلماتِ حق کی شرِ خوب

(۵۰)

دیکھیں انگریزوں نے جب یہ معرکہ آرائیاں
دل میں سوچے گھیر لے گی ملک بھر کو یہ زباں
قلعۂ[۲۲] ولیم میں وہ کرنے لگے صف بندیاں
ہو چکا تھا زورِ نثر و نظم پہلے ہی عیاں

فوج اِنشا کی کماں انشاؔ کو اوّل دے گئی
لکھنؤ میں پہلے اُردو سے قواعد لے گئی

(۵۱)

میر مجلس نثر کا فضلی تھا وہ مجلس لکھی
چار درویشوں کی بیتی پہلے تحسین سے سنی
پھر وہی باغ و بہار آرایشِ محفل ہوئی
اک عجب افسانہ تھا شرِ سُرورِ لکھنوی

ناثر اتنے ہوگئے اخبار ناشر ہوگئے
آخرش اُردو میں سرکاری دفاتر ہوگئے

(۵۲)

سادگی میں خوش رہی اُردو عبارت کچھ دنوں
نقشِ رنگیں نے دکھائی اپنی صنعت کچھ دنوں
فارسی عربی نے پیدا کی بلاغت کچھ دنوں
قافیہ پیمائیوں نے کی عنایت کچھ دنوں

کچھ دنوں دیکھا کہ اُردو گھٹ کے ہندی ہوگئی
ہوتے ہوتے آج کل ہندی کی چندی ہوگئی

(۵۳)

حیف اُردو سے ہی اُردو کا وطن بگڑا ہوا
شیخ کو غصّہ مزاجِ برہمن بگڑا ہوا
سنسکرت الفاظ سے ان کا سخن بگڑا ہوا
اور اِدھر قاموس سے ان کا دہن بگڑا ہوا

آج کل پینتس[۲۳] کروڑ افراد میں اُردو زباں
اس طرح ہی جس طرح بتیس دانتوں میں زباں

(۵۴)

ہاں مگر ہے رازدارانِ زمانہ کا خیال
کرتی ہے تاریخ بیمارانِ ماضی کو بحال
پہنچے دربارِ دکن میں کچھ حکیمانِ شمال
کھل گئے زخمِ زباں کے واسطے کچھ ہسپتال

نقص میں اس چارہ سازی سے کمی تو ہوگئی
صحتِ کامل نہ ہو پر زندگی تو ہوگئی

(۵۵)

اک طرف تو زندہ کرتا ہے دکن مُردہ علوم
اک طرف پنجاب میں ڈوبے ہوئے نکلے نجوم
ندویوں کے بھی تصانیفِ کثیرہ کی ہے دھوم
اور اُردو کی کمک پر ہے رسالوں کا ہجوم

عشقِ علمی کہئے یا حُسنِ تجارت مانئے
خیر جو کچھ ہو مگر یہ بھی غنیمت جانئے

(۵۶)

کچھ نہ ہونے سے تو کچھ ہونا بہر صورت ہے خوب
طبع تصنیفات سے ہوتا ہے تالیف قلوب
ورنہ کشتی در شمال و ناخدا اندر جنوب
یہ ستارہ ہند کا ہوجائیگا اک دن غروب

اُٹھ رہا ہے ملک کا نام و نشاں اس ملک سے
جا رہی ہے آہ یہ ملکی زبان اس ملک سے

(۵۷)

جن کے سینے میں ہے دل مٹھی میں ان کی زر نہیں
ہاتھ میں جن کے ہے زر پر مغز ان کا سر نہیں
جو زباں آور ہے قسمت اس کی زور آور نہیں
مالکِ گوہر ہے جو وہ صاحبِ جوہر نہیں

دونوں بے بس ہیں کسی سے کچھ نہ کہنا چاہئے
تم کو اے ناطقؔ بس اب خاموش رہنا چاہئے

حواشی

۱۔ آبِ حیات (آزاد) اُردو سے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ بولتے تھے۔ وہاں کی بولی کا نام اُردو ہو گیا۔

۲۔ نواب نصیر حسین خیالؔ بہاری نے لکھنو کے اجلاس اُردو کانفرنس میں کہا تھا بودھ مذہب کا اعلان بہار میں اُردو ہی کے ذریعہ ہوا تھا۔

۳۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل سے عرب آرین یورپین اور ایران وغیرہ ہیں۔

۴۔ کعبہ میں جو بُت رکھے گئے تھے ان میں بعض ہندستان سے گئے تھے۔

۵۔ سلطان قطب الدین ایبک۔

۶۔ اُردو کے کئی نام ہیں ایک نام ریختہ بھی ہے۔

۷۔ سلطان محمد تغلق۔

۸۔ جنوبی ہند کی بہمنی سلطنت۔

۹۔ جنوبی ہند کی عادل شاہی سلطنت۔

۱۰۔ جنوبی ہند کی قطب شاہی سلطنت۔

۱۱۔ شاعروں کے نام۔

۱۲۔ جنوبی ہند کا شہر جو محمد تغلق کا پایہ تخت تھا۔

۱۳۔ ولی دکنیؔ۔

۱۴۔ شاعروں کے نام۔

۱۵۔ میر حسنؔ مصنف سحر البیان۔

۱۶۔ شاعروں کے نام۔

۱۷۔ سلطنت اودھ کے بانی۔

۱۸۔ شاعروں کے نام۔

۱۹۔ شاعروں کے نام۔

۲۰۔ ''معراج العاشقین'' جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب ہے۔

۲۱۔ ''سب رس'' یہاں غلطی سے شاہ میراں جی سے منسوب کی گئی ہے جب کہ یہ ملا وجہیؔ کی تصنیف ہے۔

۲۲۔ فورٹ ولیم سے اُردو کی اہم کتابیں شائع ہوئیں۔

۲۳۔ نظم کی تصنیف کے وقت ہندوستان کی آبادی پینتس کروڑ تھی۔